وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا (القرآن)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ (اَنْ یُّقْرَاءَ) الْقُرْاٰنُ كَمَا اُنْزِلَ (رواہ ابن خزیمہ)

ضیاء القرأت

مع

ایضاح القرأت

طالبانِ فن کیلئے ترتیل و تجوید کے اسرار و نکات سے متعلق قابلِ قدر اور ایک لازوال تحفہ

متن از

امام القراء والمجودین حضرت مولانا قاری مقری شیخ ضیاء الدین احمد صاحب الہ آباد

تعلیق و تحشیہ از

فاضلِ قرأت سبعہ حضرت قاری مقری شکیل احمد صاحب نوری حفظہ اللہ

صدر المدرسین سلطان الہند و رضا دار العلوم بھیلواڑہ (راج)

بحسنِ سعی

فخر العلماء حضرت علامہ مولانا الحاج حفیظ الرحمٰن صاحب قبلہ

خطیب و امام جامع مسجد و ناظم اعلیٰ دار العلوم سلطان الہند و رضا بھیلواڑہ

جیلانی بک ڈپو

۵۲۳۔ وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل جامع مسجد دہلی

Mobile: 32715295, 9350046577, 9212346577

Email: jilani.book.depot@gmail.com

نام کتاب : ضیاء القرات
مصنف : امام القراء حضرت شیخ قاری مقری ضیاء الدین احمد صاحب الہ آباد
نام تعلیق وتحشیہ : ایضاح القرات
محشی : فاضلِ قرات سبعہ حضرت قاری مقری شکیل احمد صاحب نوری نصروِی
پیلی بھیت
بحسن سعی : فخر العلماء حضرت علامہ حفیظ الرحمٰن صاحب قبلہ ناظم اعلیٰ سلطان اہند
ورضاء دار العلوم بھیلواڑہ

ملنے کے پتے

سلطان الہند ورضاء دار العلوم سانگا ئیری گیٹ بھیلواڑہ (راجستھان)
قادری چشتی بک ڈپو گلمنڈی بھیلوارہ (راجستھان)
مکتبہ فاروقیہ مٹیا محل جامع مسجد (دہلی)
فاضلِ ادب محبّ گرامی حضرت مولانا رسالت حسین صاحب قبلہ مدرسہ خلیل العلوم نخاسہ سنبھل ضلع مراد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تہدیہ

احقر نوری عفی عنہ اپنی اس حقیر سعی کو قطب عالم امام الفقہا مفتی اعظم ہند تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت علامہ الشاہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں نذر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ جن کی نگاہ کیمیا اثر نے نہ جانے کتنے ذروں کو ہمدوش کہکشاں کر دیا۔

گر قبول افتدز ہے عز و شرف
احقر نوری عفی عنہ

الانتساب

میں اپنی اس حقیر کوشش کو مظہر اجمل العلما رحضور مفتی اعظم راجستھان حضرت علامہ الحاج مفتی محمد اشفاق حسین صاحب قبلہ اجملی نعیمی دامت برکاتہم القدسیہ کی ذات اقدس کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ جن کے فیضان نظر سے ہزاروں قلوب واذہان علم ودانش کی روشنی سے منور ہوئے اور اپنے مربی محسن استاذ محترم حضرت مولانا قاری مقری مبارک حسین صاحب قبلہ گونڈوی مدظلہ العالی کی طرف بھی۔

گر قبول افتدز ہے عز و شرف۔ احقر نوری عفی عنہ

❁ ❁ ❁

تقریظ جلیل

فخر العلماء حضرت مولانا قاری مفتی محمد یونس صاحب قبلہ مصباحی برکاتی رضوی، شیخ الحدیث دار العلوم گلشن بغداد، رام پور۔ یوپی

نحمده ونصلی ونسلم علی حبیبه الکریم

حاشیۂ ضیاء القرأت "ایضاح القرأت" کا میں نے بالاستیعاب بنظر عمیق مطالعہ کیا، محشی محترم حضرت مولانا قاری مقری شکیل احمد نوری زید مجدہ نے برائے تعلیق وتحشیہ انہیں مغلق مقامات کا انتخاب کیا ہے جو واقعی تشریح کے محتاج تھے۔ اس اعتبار سے یہ حاشیہ ممتاز اور منفرد المقام اور تحقیق وتدقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ جوامہات کتب کے حوالجات سے مزین ومبرہن ہے، اس کا مطالعہ ذہن ودماغ کے بند دریچوں کو کھول کر طلبہ میں استخراج مسائل کا ملکہ پیدا کرے گا۔ اور معلومات میں قیمتی اضافہ ماشاء اللہ عزیزی موصوف نے تعلیق وتحشیہ لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔

دعاء ہے کہ مولیٰ تعالیٰ محشی موصوف کی عمر علم وعمل میں تابندگی اور برکتیں عطا فرمائے اور اس حاشیہ کو قبول عام کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بجاہ النبی الکریم علیه الصلوٰة والتسلیم۔

محمد یونس رضا مصباحی برکاتی

خادم افتاء وحدیث دار العلوم گلشن بغداد رام پور یوپی

۲۰۰۷/۱۰/۳۰

☆☆☆

اظہار تشکر

احقر نوری عفی عنہ اس موقع پر فخر العلماء حضرت مولانا قاری مفتی محمد یونس صاحب قبلہ شیخ الحدیث دارالعلوم گلشن بغداد رام پور کا بیحد مشکور ہے کہ انہوں نے مکمل تعلیق کو پورے غور وخوض سے پڑھ کر اس کی تائید و توثیق فرمائی اور مصلح قوم وملت ناصر الدین (یہ خطاب مفتی اعظم راجستھان نے علمائے راجستھان کے سامنے ایک میٹنگ کے موقع پر عطا فرما) حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب قبلہ رضوی سربراہ اعلیٰ دارالعلوم سلطان الہند ورضا کا بیحد ممنون ہوں کہ موصوف نے ایضاح القرات کی تالیف کے لئے بار بار مطالبہ کیا معاً اس کی طباعت کی کوشش بھی فرمائی اور اللہ تعالیٰ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے میرے ایک بڑے ہی خلیق منکسر المزاج رفیق زینت الحفاظ حضرت الحافظ القاری محمد مقصود احمد خان صاحب چشتی، اٹاوی کو کہ انہوں نے نہایت جانفشانی اور دلی خلوص کے ساتھ مسودہ کو از سر نو صاف کر کے بڑی عرق ریزی کے ساتھ تحریر کیا، اور ایسے ہی ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس کی طباعت میں کسی طرح بھی تعاون فرمایا۔

مولیٰ کریم ان تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد وآلیہ واصحابہ اجمعین۔

احقر نوری

❁ ❁ ❁

نام کتاب	:	ضیاء القرات مع ایضاح القرات
مصنف	:	امام القراء حضرت شیخ قاری مقری ضیاء الدین احمد صاحب الہ آباد
نام تعلیق وتحشیہ	:	ایضاح القرات
محشی	:	فاضلِ سبعہ حضرت قاری مقری شکیل احمد نوری نصروی پیلی بھیت
بحسن سعی	:	فخر العلماء حضرت علامہ حفیظ الرحمٰن صاحب قبلہ ناظم اعلیٰ سلطان الہند ورضا دار العلوم بھیلواڑہ
حسب فرمائش	:	(حافظ) محمد مشکور احمد اشرفی
ناشر	:	جیلانی بکڈپو
قیمت	:	-/۴۰ روپے

ملنے کے پتے

جیلانی بکڈپو

۵۲۳، وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶

فون: 011-32715295 موبائل: 9350046577, 9212346577

محمدی بکڈپو

۵۲۳، وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔۶

سلطان الهند و رضا دار العلوم

سانگائری گیٹ بھیلواڑہ (راجستھان)

قادری چشتی بک ڈپو

گلمنڈی بھیلواڑہ (راجستھان)

رَبِّ لیَسِّرْ ولاتعسروتمم بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمدہٗ واصلیّٰ علی رسولہ الکریم

بعد حمد وصلوۃ کے احقر ضیاء الدین احمد کان اللہ لہٗ ولوالدیہ، ساکن احمد آباد عرف نارا، ضلع الہ آباد کہتا ہے کہ مجھ سے اکثر احباب اور بزرگوں نے قواعد ضروریہ تجوید اردو زبان میں لکھنے کو فرمایا بالآخر ارکینِ مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور کے فرمانے سے مختصر رسالہ لکھا مگر وہ ناتمام چھپا اور اصل نسخہ بھی گم ہو گیا پھر اس کے پورا کرنے کو اکثر قدر دانوں نے بالخصوص محبی مولوی حافظ وصی الرحمٰن صاحب سلمہ ربہ نے فرمایا ان کے فرمانے کے موافق اس کی تصحیح کر کے پورا کرتا ہوں اور اس کا نام ضیاء القرأت رکھتا ہوں، اللہ پاک قبول فرمائے اور شائقین صحت کلام پاک کو اس سے نفع پہنچائے۔ آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرَّحمٰن الرَّحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

۱؎ حدیث پاک ہے یَسِّرُوْا ولَاتُعَسِّرُوْا اور قرآن پاک میں ہے یرید اللّٰہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اس لیے مؤلف نے آغاز تالیف سے قبل اُدْعُونی استجب لکم پر عمل کرتے ہوئے سہولت وآسانی کے لیے یہ دعا کی تاکہ کتاب آسان ہو اور باآسانی پوری ہو جائے اور قاری مقری کو دشواری نہ ہو اس دعا کی برکت یہ ہے کہ جو طالب علم خلوص نیت سے اس دعا کو پڑھ کر کتاب شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسانی کے ساتھ

بخیر و خوبی اس کی کتاب پوری فرماتا ہے۔اسی وجہ سے کتاب کے شروع میں اس دعا کو پڑھنے پڑھانے کا بہت رواج ہے۔(تنویر المرات)۱۲

۲۔ تسمیہ اور تحمید و تصلیہ پر دعا کو اس لیے مقدم کیا کہ دعا رتبۃً مقدم ہے۔(ایضاً)

۳۔ مؤلف نے اپنی تالیف کو قرآن پاک کی اقتدا اور حدیث کل امرٍ ذی بالٍ لم یبدأ بحمد اللّٰہ فھو اقطع واجذم۔ کی اتباع اور اسلاف کرام کی موافقت کے پیش نظر تسمیہ کے بعد تحمید سے شروع فرمایا۔۱۲

۴۔ حمد کے بعد صلوۃ کو اس لیے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ احکام اور قبولیتِ اعمال میں خدا اور بندوں کے درمیان چونکہ وسیلہ ہیں اس لیے جب خدا کی حمد بیان کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی صلوٰۃ بجالاتے ہیں تاکہ اس کے وسیلہ سے خدا کی بارگاہ میں حمد مقبول ہو جائے۔۱۲

استعاذہ اور بسملہ کا بیان

آیۂ شریفہ[1] اِذاقرأت القرآن فاستعذباللّٰہ مِنَ الشیطان الرجیم۔ کے موافق جب کلام اللہ پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو پہلے پناہ مانگنی شیطان رجیم سے ضروری ہے پناہ کے الفاظ پسندیدہ[2] اعوذ باللّٰہ من الشیطانِ الرجیم ہیں۔ اس میں زیادتی[3] مثل اعوذباللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم۔ اور کمی مثل، اعوذ باللّٰہ من الشیطان۔ اور دوسرے لفظوں[4] سے بھی جائز ہے۔

---

[1] جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود سے یہ استعاذہ کا ثبوت ہے "اور جب کلام اللہ پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو پہلے" یہ استعاذہ کا محل ہے یعنی شروع قرأت "اور ضروری ہے" یہ استعاذہ کا حکم ہے اور یہاں ضروری بمعنی مستحب ہے اکثر علماء وقراء کے نزدیک اور بعض کے نزدیک واجب ہے۔ چنانچہ محقق فن علیہ الرحمہ طیبہ میں فرماتے ہیں وَاسْتُحِبْ۔ تَعَوُّذٌ قَالَ بَعْضُھُمْ یَجِبْ۔ اور تعوذ مستحب ہے۔ (عندالجمہور) اور بعض نے واجب کہا ہے۔ یعنی عطاء، ثوری، داؤد، ظاہری رحمۃ اللہ علیہم۔ اور صاحب غیث النفع نے فرمایا کہ حضرت فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، مگر قولِ اول مختار ہے۔ چونکہ قرأتِ قرآن خود مستحب ہے فرض وواجب نہیں اس لئے استعاذہ بھی واجب نہیں اسے مستحب ہی کہنا بہتر ہے اس لیے جمہور کے یہاں تعوذ سنت مستحبہ ہے چنانچہ یہی مصنف اپنی کتاب خلاصہ میں فرماتے ہیں۔ وَالْاِسْتِعَاذَۃُ عِنْدَنَا سنۃٌ مستحبۃٌ کالقرَاۃ لِاَنَّھَامِن آدابِھَا۔ یعنی استعاذہ ہمارے نزدیک سنت مستحبہ ہے تلاوت کی طرح کیوں کہ استعاذہ تلاوت کے آداب میں سے ہے اور رہا لفظ ضروری کا استعمال تو یہ بطور محاورہ کے ہے نیز عملاً اور عرفاً ضروری ہی ہے اس لیے لفظ ضروری استعمال فرمایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بہار شریعت، قانون شریعت، جنتی زیور، اور سنی

بہشتی زیور، چاروں کتابوں کے اندر مسائل قرأت بیرون نماز کے بیان میں ہے کہ تلاوت کے شروع میں ''اعوذ باللّٰہ '' پڑھنا واجب ہے تو پھر یہ کیسے کہا جا رہا ہے کہ جمہور کے یہاں تعوذ مستحب ہے؟ بیشک حقیقت تو یہی ہے کہ بہار شریعت میں واجب چھپا ہے جس پر غنیۃ کا حوالہ ہے حالانکہ غنیۃ ص ۴۶۳ میں ہے۔ اَلتَّعَوُّذُ یَسْتَحِبُّ مَرَّۃً وَاحِدَہ مَالَمْ یَفْصِلُ بِعَمَلِ دنیوی۔ تو معلوم ہوا کہ بہار شریعت میں بہت سے مسائل جو ناشرین کی غفلتوں سے غلط چھپ گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے اور رہا قانون شریعت، سنی بہشتی زیور اور جنتی زیور میں بہار شریعت پر اعتماد کر کے واجب لکھ دیا گیا ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ تعوذ کا پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں تفصیل کے لیے فتاویٰ فیض الرسول جلد اول صفحہ ۳۵۱ دیکھیں۔ استعاذہ کے لغوی معنیٰ پناہ مانگنا اور اصطلاح قراء میں جن الفاظ کے ذریعہ شیطان سے پناہ مانگی جائے ان الفاظ کو استعاذہ کہتے ہیں۔ ۱۲

۲۔ ان الفاظ کے پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ نص قرآنی کے موافق ہیں نیز مرویہ اور مختار بھی ہیں چنانچہ مصنف اپنی کتاب خلاصہ میں فرماتے ہیں۔ لٰکِنَّ الْمُخْتَارَ لِمَوافَقَۃِ النَّصِّ ھُوالاولُ۔

۳۔ کمی و زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں الفاظ استعاذہ کی تخصیص و تعین نہیں آئی ہے۔ ۱۲

۴۔ یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کے الفاظ سے استعاذہ ضروری نہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے لفظوں سے بھی جائز ہے۔ چونکہ نص مذکور میں فقط حکم ہی آیا ہے کسی خاص عبارت کے ساتھ استعاذہ مخصوص نہیں ہے۔ اور یاد رہے کہ کمی و زیادتی اور تغیر و تبدل وہی جائز ہے جو صحیح و منقول ہو۔ تفصیل کے لیے النشر ص ۲۵۲ ملاحظہ فرمائیں نیز طیبۃ النشر میں حضرت محقق فن علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ وَاِنْ تُغَیِّرُ اَوْتَزِدْ لَفْظَافَلَا۔ تَعْدُ الَّذِیْ قَدْصَحَّ مِمَّانُقِلَا۔ اور اگر تم استعاذہ کے الفاظ میں تغیر کر دیا کچھ الفاظ کی زیادتی کرو تو اُن صحیح و منقول الفاظ سے تجاوز نہ کرو۔ ۱۲

چاہے وہ الفاظ مرویہ یعنی حدیث کے الفاظ ہوں جیسے اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَجُنُوْدِہٖ۔ یا غیر مرویہ[1] جیسے۔ اَللّٰھُمَّ اَعْصِمْنِیْ مِنْ اِبْلِیْسَ وَجُنُوْدِہٖ۔ لیکن مرویہ اولیٰ[2] ہے اور سوائے سورہ توبہ کے ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ لکھی ہے اس وجہ سے سوائے سورہ توبہ[3] کے ہر سورہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ضرور[4] پڑھنا چاہیے۔

---

[1] یعنی جن الفاظ کو کسی بزرگ عالم نے وضع کیا ہو۔۱۲

[2] کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے نکلے ہوئے الفاظ ہیں مگر مرویہ میں بھی اول درجہ مختار کا ہے۔۱۲

[3] چاہے کسی سورۃ کا وصل سورہ توبہ سے ہو یا اسی سورۃ سے قرأت کی ابتداء ہو بسم اللہ نہیں پڑھی جائے گی مگر بعض کا صورت ثانیہ میں اختلاف بھی ہے اور نہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے شروع میں بسم اللہ مکتوب و مرسوم نہیں اور مرسوم نہ ہونے کی اصل علت یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سورۃ کے ساتھ بسملہ لے کر نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ لکھنے کا حکم بھی نہیں فرمایا۔ دیکھو خزائن العرفان صفحہ ۲۷۰ اور وجہ ثانی یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہ تعالیٰ عنہما سَأَلْتُ عَلِیًّا رَضِیَ اللہ عنہ لِمَ لَمْ تُکْتَبِ الْبَسْمَلَۃُ اَوَّلَ بَرَاءَۃٍ فَقَالَ لِاَنَّ بِسْمِ اللّٰہِ اَمَانٌ وَبَرَاءَۃٌ لَیْسَ فِیْھَا اَمَانٌ لِاَنَّھَا نَزَلَتْ بِالسَّیْفِ وَلَا تَنَاسُبَ بَیْنَ الْاَمَانِ وَالسَّیْفِ۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ اول برأت میں بسملہ کیوں نہیں لکھی گئی فرمایا اس لئے کہ بسم اللہ امان ہے اور برأت میں امان نہیں کیوں کہ یہ سورۃ سیف کے ساتھ نازل ہوئی ہے اور امان و سیف کے درمیان کوئی تناسب نہیں غایہ صفحہ ۴۸ وکذافی الاتقان ص ۱۳۰ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر تو سورہ لہب کی ابتدا میں بھی بسملہ نہیں ہونا چاہیے تھی کہ اس میں بھی غضبِ خداوندی ہے تو جواب یہ ہے کہ اس سورۃ کا برأت سے کوئی جوڑ نہیں بلکہ زمین و آسمان کا فرق ہے کیوں کہ جس شدت کا غیظ و غضب اور قتال و جہاد کا اظہار اس میں کیا گیا ہے اتنا سورہ لہب یا اور کسی دوسری سورہ میں اس کا عُشرِ عَشیر بھی نہیں ہے، لہٰذا اس سورت سے برأت میں ترک بسملہ پر اعتراض صحیح نہیں تفصیل کے لیے روح المعانی دیکھو۔

فائدہ: ترک بسملہ کا حکم صرف استحبابی ہے لہٰذا اگر کوئی ابتداء قرات ابتداء برأت میں بسملہ پڑھ لے تو یہ جائز ہے چنانچہ بہار شریعت میں غنیۃ کے حوالے سے اس کے جواز کی تصریح ہے۔۱۲

[4] بمعنیٰ مستحب ۱۲

اور درمیان ہر سورت کے شروع قرات میں بسم اللہ پڑھنا برکت کے واسطے اور نہ[1] پڑھنا دونوں جائز ہیں شروع اور وسط قرأت کے لحاظ سے شروع اور وسط سورۃ کی تین[2] صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے۔ پہلی صورت شروع قرأت شروع سورت سے، دوسری شروع سورت درمیان قرأت سے، تیسری شروع قرأت درمیان سورت سے۔

---

[1] نہ پڑھنا غیر محل ہونے کی وجہ سے اور پڑھنا حدیث پاک کل امرذی بال۔ الخ پر عمل کرتے ہوئے، اور پڑھنا ہی بہتر ہے کیوں کہ قرآن عظیم کے شرف سے مکمل طور پر اسی وقت مشرف ہوگا جب کہ اسے بسملہ سے شروع کیا جائے اور یاد رہے کہ سورۃ توبہ کا درمیان بھی بقیہ سور کے درمیان ہی کی طرح ہے۔ چنانچہ اپنی خلاصہ میں فرماتے ہیں۔ ووسطُ التوبۃ کوَسَطِ سَائِرِھا۔ البتہ بعض ابتداء برأت پر قیاس کرتے ہوئے درمیان برأت سے شروع کرنے میں بسم اللہ نہیں پڑھتے مگر قولِ راجح یہی ہے کہ وسطِ توبہ بھی مثل بقیہ وسط سور کے ہے۔ کذافی التنویر۔ ص١٩ نیز حضرت علامہ شاطبی علیہ الرحمہ کے شعر۔

وَلابُدَّ منہافی ابتدائِكَ سُوْرَۃً

سِوَاھَاوفی الاجزاءِ خُیِّرَ مَنْ تَلاَ

سے تخییر ہی ثابت ہوتی ہے کیوں کہ اجزاء کو عام رکھا ہے۔ جو براۃ اور باقی سورتوں سب کے اجزاء کو شامل ہے۔١٢

[2] یعنی جائز، اگرچہ عقلی طور پر چوتھی صورت درمیان قرأت درمیان سورت بھی نکلتی ہے مگر اس صورت میں نہ تعوذ کا محل ہے اور نہ تسمیہ کا اس لیے حضرت مؤلف نے اس کو بیان نہیں فرمایا۔

پس پہلی صورت میں یعنی جب شروع قرات شروع سورت سے ہو تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ دونوں[1] پڑھنا چاہیے اور پڑھنے میں وصل یعنی ملا کر پڑھنا اور فصل یعنی وقف اور رہاؤ کر کے پڑھنا دونوں جائز ہیں، تو اس صورت میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے وصل اور فصل کے لحاظ سے چار صورتیں[2] جائز ہیں۔ (۱) وصل اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور سورت کا اس کا نام وصل کل ہے اور اس کو صل[3] وصل بھی کہتے ہیں۔ (۲) فصل ہر ایک کا یعنی اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور سورت کا اس کا نام فصل کل ہے اور اس کو قف وقف بھی کہتے ہیں۔ (۳) فصل اعوذ و صل بسم اللہ اس کا نام فصل اول وصل ثانی ہے اس کو قف وصل بھی کہتے ہیں۔ (۴) وصل اعوذ فصل بسم اللہ اس کا نام وصل اول فصل ثانی ہے اس کو صل وقف بھی کہتے ہیں۔

---

[1] اس لیے کہ دونوں کا محل پایا جا رہا ہے یعنی شروع قرأت شروع سورت۔

[2] مگر استعاذہ کا بسم اللہ اور قرآن سے فصل اولیٰ ہے کیوں کہ استعاذہ خارج عن القرآن ہے چنانچہ ابن مؤلف منار الہدیٰ فی الوقف والابتداء سے حواشی مرضیہ میں نقل کرتے ہیں۔ اِعْلَمْ اَنَّ الاستعاذۃ یَستَحِبُّ قَطْعُھَا مِنَ التسمیۃ ومن اول السورۃ۔ لِاَنَّھَا لَیَست مِنَ القرآن۔ یعنی تم جان لو کہ استعاذہ کا جدا کرنا بسملہ اور قرآن سے مستحب ہے اس لئے کہ استعاذہ قرآن سے نہیں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صور اربعہ میں سے دو صورتوں فصل کل اور فصل اول وصل ثانی میں استعاذہ کا بسملہ سے قطع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا دونوں بہتر اور اولیٰ ہیں۔ مگر احقر نوری کے خیال میں ان دو میں بھی ترجیح فصل کل کو ہے تا کہ بسملہ کا عدم جزو سورت ہونا واضح ہو جائے اور بعض نے فصل اول وصل ثانی کو ترجیح دی ہے اور فرمایا تا کہ جزء سورت ہونا واضح ہو جائے یعنی ان بعض نے بسم اللہ کو ہر سورت کا جز بتایا ہے اور حضرت امام عاصم و حفص علیہما الرحمہ کی طرف بھی جزئیت کی نسبت کی ہے۔ اور حضرت ابن خزیمہ والی حدیث پیش کی ہے مگر قوی اور تحقیقی مذہب یہ ہے کہ جملہ صحابہ و تابعین اور فقہاء و قراء کے نزدیک بسم اللہ ہر سورت کا جز نہیں صرف قرآن کا جز ہے۔

فقط تبرک اور فصل بین السور کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اور صحیح احادیث میں بھی یہی مروی ہے ہمارے قراء کی جانب جزئیت کی نسبت کرنے والے ذرا مصاحف حفصیہ میں آیاتِ حفصیہ کی گنتی کر کے بتائیں تو کہ کیا کہیں سورہ بقرہ سے ناس تک علاوہ فاتحہ کے جو کہ مختلف فیہا ہے۔ بسم اللہ شریف شمار میں آئی؟ مثلاً سورہ اخلاص میں چار آیات ہیں بسم اللہ سے الگ ہی چار آیات ہیں، سورہ کوثر میں تین آیات ہیں، جملہ فقہا و قراء کے نزدیک بسم اللہ سے جدا ہی تین آیات ہیں، وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ بخلاف سورہ فاتحہ کے کہ سات آیات ہیں اور ان کے نزدیک اَنعمت علیہم پر آیت نہیں لہٰذا ہمارے مصاحف میں اس پر نشان آیت عند الغیر ۵ لکھتے ہیں نہ کہ o یہ صاف دلیل واضح ہے کہ ہمارے قراء عاصم وحفص علیہما الرحمہ کے نزدیک بسم اللہ بقرہ سے ناس تک کسی سورہ کا جز نہیں بلکہ ایک انہیں قاریوں کی کیا تخصیص ہے سب کے نزدیک (سوائے فاتحہ کے کہ مختلف فیہا ہے) باقی تمام سور کے شمار آیات سے بسم اللہ خارج ہے یہ بھی اس ارشاد علماء کا پتہ دیتا ہے کہ قول جزئیت حادث وخلاف اجماع ہے۔ کذافی الفتوٰی الرضویہ۔ حضرت حجۃ السلام امام ابوبکر رازی تفسیر احکام القرآن میں اپنے مسلک کے لیے (کہ بسملہ ہر سورت کا جز نہیں) یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں تیس آیات کی ایک سورۃ ہے جو اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرے گی یہاں تک کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی وہ سورہ ملک ہے اور قراء وغیر قراء سب نے اس پر اتفاق کیا ہے اس کی تیس آیات سوائے بسم اللہ کے ہیں تو اگر تسمیہ اس کا جز ہوتی تو اس میں اکتیس ۳۱ آیات ہوتیں اور قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو جاتا۔ مع پوری سند کے یہ حدیث عربی متن کے ساتھ فتاویٰ اجملیہ ثانی میں ہے اور اسی طرح بدائع الصنائع جز اول صفحہ ۳۲ پر ہے اور سیدی مقری صفاقسی علیہ الرحمہ غیث النفع فی القرات السبع صفحہ ۲۲ میں رقم فرماتے ہیں۔ اِنَّ الْبَسْمَلَةَ لَيْسَتْ بِآيَةٍ وَلَابعض آيَةٍ مِنْ اول الفاتحة وَلَا مِنْ غيرِهَا وَاِنَّمَا كُتِبَتْ فِى الْمَصَاحِفِ لِتَيَمُّنِ والتبرك اَوْاَنَّهَافى اول الفاتحةِ لِابتداء الكتاب عَلىٰ عادة الله جَلَّ وَعَزَّفى ابتداءِ كُتُبِهٖ وَفِىْ غَيْرِالْفاتِحَة لِلْفَصْلِ بَيْنَ السَّوَرِ۔ یعنی بسملہ آیت نہیں اور فاتحہ اور کسی سورہ کی جز نہیں اور یہ صرف قرآن میں برکت کے طور پر لکھی گئی ہے یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ ہے کہ اس

نے اپنی تمام کتابوں میں بسم اللہ سے ابتدا فرمائی۔ لہٰذا سورہ فاتحہ کی ابتدا میں بھی ذکر فرمائی اور باقی سور کی ابتداء میں صرف فصل بین السور کے لیے ہے۔ مسلم الثبوت صفحہ ۱۵۱ میں ہے ۔البسملة من القرآن آیۃٌ فَتُقْرَأُفی اللختم مَرَّۃً یعنی بسملہ قرآن کی ایک آیت ہے تو ختم میں ایک بار پڑھی جائے اور یاد رہے ابن خزیمہ والی حدیث ضعیف ہے فتاویٰ اجملیہ ثانی ملاحظہ فرمائیں مزید تحقیق و تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ ثالث اور اجملیہ دوم اور بدائع اول کا مطالعہ کریں۔۱۲

۳؎ یہ دونوں لفظ صیغۂ امر ہیں ان کے معنیٰ ہیں ملا اور ملا یعنی تعوذ کو تسمیہ اور تسمیہ کو اس سورت سے جو آگے پڑھنے کا ارادہ ہے صل وصل اس صورت کا دوسرا اسم نہیں ہے بلکہ اس سے وصل کل پڑھنے پڑھانے کا حکم کیا جاتا ہے۔ قراء عرب اسی طرح اپنے طالب علموں کو وصل کل پڑھنے کا حکم کرتے ہیں یہ محاورۂ عرب ہے حضرت مؤلف نے اس محاورۂ عرب کو اس لئے بیان فرمادیا تاکہ تطبیق ادا کے ساتھ ساتھ محاورۂ عرب کی بھی تطبیق ہو جائے۔۱۲

۴؎ معنیٰ ٹھہر اور ٹھہر یعنی ہر ایک کو جدا کر کے پڑھ یہ دونوں لفظ بھی صیغۂ امر ہیں آگے قف وصل اور صل وقف کو بھی انہیں اوامر پر قیاس کر کے سمجھ لیں۔۱۲

اور دوسری صورت یعنی جب شروع سورت درمیان قرأت سے ہو پس کسی سورت کو ختم کر کے دوسری سورت یا وہی سورۃ شروع کی جائے تو اس صورت میں بروایت حفص[1] رحمۃ اللہ علیہ جن کی روایت ہندوستان میں مروج[2] ہے بسم اللہ ضرور پڑھنا چاہیئے۔ چاہے دونوں سورتوں کے درمیان فصل کیا جائے یا وصل اور بسم اللہ پڑھنے کی تین صورتیں ہیں وصل کل اور فصل کل اور فصل اول وصل ثانی چوتھی صورت وصل اول فصل ثانی اس میں جائز نہیں کیوں کہ بسم[3] اللہ کو شروع سورت سے تعلق ہے اور اس صورت میں بسم اللہ کو جس سے ملا کر پڑھا جائے گا اس سے بسم اللہ کا تعلق معلوم ہوگا۔ اور جب کسی سورت[4] کو ختم کر کے سورہ توبہ شروع کی جاوے تو وصل، وقف، سکتہ تینوں وجہ جائز ہیں۔

---

[1] صاحب روایت حضرت حفص رحمۃ اللہ علیہ کے نام کو خصوصیت کے ساتھ لینے کی وجہ یہ ہے کہ تا کہ شروع سورت درمیان قرأت میں بین السورتین والی صورت میں تارکین بسملہ سے التباس نہ لازم آئے چونکہ اس میں قراء کا اختلاف ہے اور حفص رحمۃ اللہ علیہ ان قراء میں سے ہیں جو بسملہ پڑھتے ہیں اسی لئے آگے فرمایا۔ چاہے دونوں سورتوں کے درمیان فصل کیا جائے یا وصل اور اصطلاح میں بین السورتین کہتے ہیں کہ پہلی سورت کو ختم کر کے دوسری سورت بلا تنفس شروع کرنے کو، یعنی ختم سورت پر وقف نہ کیا جائے اور اگر وقف کر دیا تو تمام قراء پڑھتے ہیں یعنی بینیت ساقط ہو جائے گی۔ اور حضرت حفص امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے راوی دوم ہیں آپ ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۰ھ میں کوفہ میں وفات پائی آپ کی کنیت ابو عمر ہے آپ قوی الحافظہ تھے حفظ وضبط میں حضرت شعبہ پر بھی فضیلت رکھتے تھے۔ چنانچہ شاطبیہ میں آپ کی شان میں فرمایا۔ وَحَفُصٌ وَّبالاتقانِ كان مُفَضَّلاَ۔ ۱۲

[2] زیادہ مروج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے موافق قرآن شریف میں اعراب ونقطے وغیرہ لگے ہیں اس آسانی کی وجہ سے ہر ایک انہیں کی روایت پڑھتا پڑھاتا ہے نیز امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی قرأت امام عاصم کی پڑھتے تھے۔ پس مسائل میں تو ہم ان کے مقلد ہیں ہی

قرات بھی اس لیے اختیار کی کہ اپنے امام کے ساتھ قرأت میں بھی موافقت حاصل ہو جائے اسی طرح کتب فن میں ہے۔۱۲

۳ یہ چوتھی صورت کے عدم جواز کی وجہ ہے اور اس کو شاطبیہ میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ وَمَهْمَا تَصِلْهَا مَعَ اَوَاخِرِ سورةٍ۔ فَلَا تَقِفَنَّ الدَّهْرَ فِيْهَا فَتَثْقُلَا۔ اور جب بسملہ کو اواخر سورۃ کے ساتھ ملا کر پڑھے تو ہرگز بسملہ کے آخر میں وقف نہ کر کہ تو گرانی کا باعث ہو (اور حضرت سید رحمۃ اللہ علیہ نے غیث میں۔ لِاَنَّ الْبَسْمَلَةَ لِاَوائِلِ السُّوَرِ لَا لِاَوَاخِرِهَا۔ فرمایا ہے صفحہ ۲۱ یعنی بسملہ اوائل سور کے لیے ہے نہ کہ اواخر کے لیے۔۱۲

۴ یعنی انفال یا انفال کے علاوہ کسی بھی سورۃ کے ختم کے بعد سورۂ توبہ شروع کی جائے تو بلا بسملہ کے تین وجہ ہیں۔ کما قال فی غیث النفع وان وَصَلْتَها بسورةٍ اخریٰ كَالْاَنفَالِ اوغَيْرِ هَافَيَجُوْزُ لِجَمِيعِ الْقُرَّاء الوصل والسكت، والوقف صفحہ ۲ لہٰذا جو بعض کتب تجوید میں کہا گیا ہے کہ انفال کے علاوہ کسی اور سورہ کے ختم کے بعد توبہ شروع کی جائے تو ایک وجہ ہے صرف ''وقف'' یہ صحیح نہیں اسی لیے احقر نے مؤلف کی تائید میں غیث النفع کی عبارت پیش کی ہے۔ اور یاد رہے کہ وصل بر بنائے اصل ہے چونکہ ضابطہ ہے۔ اَمَّا الْوَصْلُ فَهُوَ اَصْلٌ فی القراتِ۔ وقف بر بنائے فصل۔ سکتہ دو جہت رکھنے کی وجہ سے مگر وقف اولیٰ اور بہتر ہے کیوں کہ اختتام سورت محلِ تام ہوتا ہے جو متقاضی وقف ہے۔ (نشر) ۱۲

تیسری صورت یعنی جب شروع قرأت درمیان سورت سے ہو تو اعوذ باللہ ضرور[۱] پڑھنا چاہیے بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے[۲] پس اگر بسم اللہ بھی پڑھی جائے تو صرف دو وجہ[۳] جائز ہیں فصل کل اور وصل اول فصل ثانی اور اگر بسم اللہ نہ پڑھی جائے تو اعوذ باللہ کو شروع قرأت سے فصل کر کے پڑھنا[۴] چاہیے اس میں وصل بھی جائز ہے بشرطیکہ شروع میں اللہ پاک[۵] کا کوئی نام نہ ہو۔ اعوذ باللہ اور بسم اللہ ہر ایک آہستہ اور بلند آواز سے پڑھے جانے میں تابع[۶] قرات کے ہے۔

---

۱ اس لیے کہ اسی کا ہی محل ہے۔۱۲

۲ مگر پڑھنا اولیٰ ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔۱۲

۳ اور باقی دو وجوہ وصل کل اور فصل اول وصل ثانی مشہور قول کی بنا پر درست نہیں اور وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں یہ شبہہ ہوتا ہے کہ شاید یہ محل بسملہ ہے یعنی یہاں سے سورت کی ابتدا ہو رہی ہے حالانکہ یہاں بسملہ صرف برکت کے لئے ہے نہ کہ محل کی بنا پر لیکن بعض قراء کی رائے پر یہ دو وجوہ بھی جائز ہیں، مگر اس پر عمل نہیں ہے۔ پس اگر کوئی ان دو وجوہ کو بھی پڑھے تو اس کا خیال رکھے کہ شروع میں شیطان کا نام نہ ہو جیسے الشیطان یعدکم الفقر وغیرہ ورنہ ایسی جگہ سے قرأت شروع کرنے میں ان دو وجوہ کا پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اللہ پاک کی صفت کو شیطان کے نام سے ملا کر پڑھنا خلاف ادب ہے۔۱۲ (دیکھو تنویر صفحہ ۲۸)

۴ یعنی اولیٰ یہی ہے کہ استعاذہ کا فصل ہو کیوں کہ استعاذہ خارج عن القرآن ہے۔

۵ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی یا (صفتی) اسم یا ضمیر نہ ہوتا کہ معنیٰ فاحش کا وہم نہ ہو چنانچہ یہی مؤلف خلاصہ میں فرماتے ہیں۔ وَیَجُوْزُ وَصْلُهَا ایضاً اِنْ لَمْ یَکُنْ اسمٌ مِنَ الاسماءِ الحسنیٰ فی ابتداءِ القرأت لِتَوَهُّمِ معنیً فاحِش۔ یعنی استعاذہ کا وصل بھی جائز ہے ابتداء قرأت میں جب کہ اسماء حسنیٰ میں سے کوئی اسم نہ ہو، معنیٰ فاحش کے وہم کی وجہ سے۔۱۲

۶ اس کے جہر وسر میں قراء کا اختلاف ہے۔ کیوں کہ آیت نحل میں فقط استعاذہ کا حکم ہے۔ جہر وسر کی کوئی قید نہیں ہے اور اس میں قراء کے تین مذاہب ہیں۔

مذہب اول : مطلقاً استعاذہ بالجہر۔ چاہے قرأت بالجہر ہو یا بالسر، بالجہر کی صورت میں دلیل یہ

دیتے ہیں کہ استعاذہ قرأت کی علامت ہے اور علامت مقتضی جہر ہے اور قرأت بالسر میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ استعاذہ غیر قرآن ہے اور غیر قرآن کو قرآن کے مشابہ نہ ہونا چاہیے، ورنہ التباس بالقرآن لازم آئے گا۔

مذہب دوم: مطلقاً استعاذہ بالسر چاہے قرأت بالجہر ہو یا بالسر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ استعاذہ دعاء ہے اور دعاء کے متعلق قرآن میں ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً۔ یعنی اپنے رب سے دعاء کرو گڑ گڑاتے اور آہستہ (کنز الایمان) اور حدیث میں بھی ہے کہ دعا سری دعاء جہری پر ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

مذہب سوم: تابع قرأت یعنی اگر قرأت بالجہر ہو تو یہ بھی بالجہر اس میں استعاذہ بالجہر اور قرأت بالجہر والی دلیل جاری ہوگی اور اگر بالسر ہے تو یہ بھی بالسر اس میں دعاء والی دلیل جاری ہوگی یہی مذہب انسب العمل ہے اور باقی بسملہ کے جہر و سر میں قراء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن مؤلف فرماتے ہیں کہ اس کا تابع قرأت ہونا تبعاً ہے۔ ۱۲

بموجب[۱] آیۂ شریفہ ورتل القرآن ترتیلا۔ جب کلام اللہ پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ترتیل[۲] کے ساتھ کلام اللہ پڑھنا واجب[۳] اور موجب[۴] ثواب ہے اور ترتیل کے خلاف پڑھنے میں عذاب اور نماز نہ[۵] ہونے کا خوف۔

---

۱ بمعنیٰ موافق

۲ لغوی معنیٰ ٹھہر ٹھہر کے پڑھنا اور اصطلاحی تعریف آگے متن میں آرہی ہے۔۱۲

۳ یہاں واجب سے مراد واجب شرعی ہے نہ کہ عرفی۔ کیونکہ مؤلف نے وعید شدید بیان کی ہے اور خلاصہ میں وَلَزِمَ الاِثْمُ علی تَرْکِہٖ۔ فرمایا ہے۔ یعنی تجوید کے ترک پر گناہ لازم ہے۔ واجب شرعی کی تعریف یہ ہے کہ اس کا پورا کرنا عندالشریعت ضروری اور نہ کرنے پر مستحق عذاب ہو، اور اس کا وجوب علاوہ قرآن کے حدیث واجماع سے بھی ہے۔ تفصیل کے لیے نہایہ صفحہ ۷ تا ۱۰ اور لمعات۔ دیکھو

۴ بمعنیٰ مستحق

۵ بلکہ بعض جگہ تو خلاف ترتیل پڑھنے سے فساد معنیٰ کی صورت میں نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ مثلا صیف کی جگہ سیف اور قل کی جگہ کل، علیم کی جگہ الیم اور عام طور پر اچھے پڑھے لکھے لوگ لاپرواہی میں صاد، سین، ثا، ظا، ذال، طا، تا میں تفریق نہیں کرتے اور عمر بھر کی نماز خراب کرتے ہیں۔ جب کہ فقہا نے خصوصیت کے ساتھ ان حروف میں فرق کرنے کو لکھا ہے چنانچہ حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ شاہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ اپنی مشہور زمانہ کتاب بہار شریعت ص ۸۸ بحوالۂ عالمگیری فرماتے ہیں کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا اگر اس وجہ سے ہے کہ اس کی زبان سے وہ حرف ادا نہیں ہوتا تو مجبور ہے۔ اس پر کوشش ضروری ہے اگر لاپرواہی سے جیسے آج کل کے اکثر حفاظ وعلماء کہ ادا پر قادر ہیں مگر بے خیالی میں تبدیل حروف کردیتے ہیں تو اگر معنیٰ فاسد ہوں تو نماز نہ ہوئی، اس قسم کی جتنی نمازیں پڑھی ہوں ان کی قضا لازم۔ طا، تا، س، ثا، صاد، ذال، زا، ظا، الف، ء، ع، ہ، ح، ض، ظا، ان حرفوں میں صحیح طور پر امتیاز رکھیں ورنہ معنیٰ فاسد ہونے کی صورت میں نماز نہ ہوگی، بعض تو س، ش، ز، ج، ق، ک، میں بھی فرق نہیں کرتے۔ لحن کے ساتھ قرآن پڑھنا

حرام ہے، اور سننا بھی حرام ہے۔ مگر مدولین میں لحن ہوا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگر فاحش نہ ہو کہ تان کی حد تک پہنچ جائے اور مخدوم العلماء امام الفقہاء سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ قرأت سیکھنا جھگڑا ہے ارشاد فرماتے ہیں اتنی قرأت سیکھنا جس سے آدمی قرآن عظیم صحیح پڑھے فرض ہے۔ جس نے اس سے منع کیا اس نے فرض سے روکا اور ایک فرض کو جھگڑا بتایا اس پر توبہ فرض ہے۔ اسے تجدید ایمان وتجدید نکاح وغیرہ بھی چاہئے بہت بدکلمہ اس کی زبان سے نکلا فتاویٰ مصطفویہ۔ مذکورہ ارشادات سے تجوید کی اہمیت اور فرضیت بخوبی واضح ہے لہٰذا اس سے غفلت نمازوں کی بربادی کا سبب ہے آج جو لوگ اس فن سے غفلت برتتے ہیں وہ سبق لیں بیدار ہوں اور اپنی کوتاہیوں کو دور کریں اپنی عمر کا لحاظ نہ رکھیں جو بھی اس فن کا ماہر ملے بلا شرم و عار اس سے استفادہ کریں، کہ جتنی عمر باقی ہے وہ تو اس سعادت سے محروم نہ رہے۔ اللہ رب العزت ہر ایک کو تجوید کے ساتھ قرآن عظیم پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس فن کو سیکھنے وسکھانے کی بھی، اور یاد رہے کہ کتب تجوید کے بعض مؤلفین نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ۔ میں صاد کی جگہ سین پڑھنے سے فساد نماز کے لئے لکھا ہے جو کہ صحیح نہیں بلکہ نماز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح فتاویٰ اجملیہ ثانی میں غنیۃ کے حوالے سے ہے لہٰذا تفصیل اس میں دیکھو۔ ۱۲

پھر اللہ پاک نے جب ترتیل کا حکم ظاہر فرمادیا، اور علماء اور قراء ترتیل کا حکم بتلانے والے اور ترتیل کے ساتھ کلام اللہ پڑھانے والے ہر زمانے میں موجود ہیں، تو نہ دنیا میں یہ عذر ہوسکتا ہے کہ ہم کو ترتیل کا ضروری ہونا معلوم نہیں، اور یہ معلوم بھی ہوتو کوئی سکھانے والا نہیں، اور نہ قیامت میں اللہ پاک کے سامنے کوئی عذر چلے گا۔ دنیا میں کوئی شخص تعزیرات ہند کے خلاف کر کے اپنے حاکم کے سامنے یہ عذر نہیں کرسکتا کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ تعزیرات ہند کے خلاف کرنے میں کوئی جرم اور سزا ہے، اور اگر کوئی یہ عذر کرے تو قبول نہیں بلکہ بے وقوف بن کر سزا ضرور پاوے۔

پس چونکہ کم سے کم نماز میں کلام اللہ پڑھنا ضروری اور کلام اللہ ترتیل کے ساتھ پڑھنا ضروری اور ترتیل بلا سیکھے دشوار کیوں کہ کلام اللہ زبان عربی فصیح میں ہے۔ اور ترتیل کا سیکھنا آسان جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ابھی معلوم ہوجائے گا۔ لہٰذا ترتیل کا سیکھنا ہر مسلمان پر ضروری ہے اور سیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب استاذ کامل پڑھ کر سناوے تو غور سے سنے پھر خود استاذ کو سناوے تو اس کی کوشش کرے کہ جس طرح سنا ہے، اس طرح پڑھے۔ اور حرفوں کو ادا کرے۔ اور جو غلطیاں استاذ بتلاوے انہیں کے صحیح کرنے کی زیادہ کوشش کرے، مشق کرے، تاکہ پھر کبھی غلطی نہ ہو اس طرح انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد ترتیل آجاوے گی، کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ترتیل کے یہ معنیٰ بتلائے ہیں، کہ حرفوں کو تجوید[1] یعنی صحیح مخرج اور صفت سے ادا کرنا۔ اور معرفت وقوف یعنی جگہ اور قاعدے رہاؤ کے پہچاننا تاکہ جب وقف کی ضرورت ہو تو وقف بے موقع اور بے قاعدہ خلاف طریقہ عربی نہ ہو[2] جاوے۔

---

[1] لغوی معنیٰ عمدہ کرنے اور سنوارنے کے ہیں اور اصطلاح میں حرف کو اس کے مخرج مع جمیع صفات کے ادا کرنے کو تجوید کہتے ہیں۔ اس کا موضوع قرآن کے حروف تہجی اور اس کی

غایت صَوْنُ اللسانِ عَنِ الخطاء فی کتاب الله تعالیٰ یعنی زبان کو کتاب اللہ میں خطاء سے بچانا۔ (نہایہ صفحہ ۱۵) اس فن کے واضعین میں امام خلیل بن احمد فراہیدی، امام سیبویہ، علامہ قُطرُب نحوی، امام فراء نحوی، امام صالح جرمی علیہم الرحمہ کے اسماء معروف ہیں (کذا فی کتب الفن) اور تجوید کی دو قسمیں ہیں اجمالی و تفصیلی۔ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت ان بعض ضروری قواعد کا علم جن کے بغیر قرآن کریم کی صحت بقدر ضرورت ممکن نہ ہو اجمالی کہتے ہیں اور جمیع مسائل کلیہ و جزئیہ کے جاننے کو تفصیلی کہتے ہیں۔ ۱۲

۲ کیوں کہ بے موقع اور بے قاعدہ اگر وقف کیا گیا تو بعض صورتوں میں ایسے معنی پیدا ہو جاتے ہیں جن کا اعتقاد گناہ یا کفر ہے مثلاً سورۂ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول فمن تبعنی فانه منی ومن عصانی پر وقف کیا تو معنیٰ یہ ہوگا (پس جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی) تو نافرمانی کرنے والا بھی اس صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام میں سے شمار ہوگا جو کہ بالکل مراد خداوندی کے خلاف ہے یا تو منی پر وقف کرنا چاہیے تھا یا ختم آیت پر۔ اور ایک صحیح روایت میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطیب کو سنا وہ کہتا ہے۔ من یُطِعِ اللّٰہَ ورسولَهٗ فقدرَشَدَ وَمَنْ یَّعصِهِمَا۔ (یعنی جس نے اللہ و رسول کی اطاعت اور جس نے ان کو نافرمانی کی تو وہ ہدایت یافتہ ہے) اس مقام پر پہنچ کر خطیب ٹھہر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو قوم کا برا خطیب ہے یہ کیوں نہیں کہتا ہے۔ ومن یعصهما فقد غوی۔ اس روایت میں واضح دلیل ہے کہ خطیب کے غلط مقام پر وقف کرنے پر آپ نے اس کو سخت تنبیہ فرمائی۔ خطیب کے لیے ضروری یہ تھا کہ اگر وہ دونوں فقرے ایک سانس میں نہیں بول سکتا تھا۔ تو فَقَدْ رَشَدَ پر ٹھہر جاتا اور پھر نئے سانس میں اگلا جملہ کہتا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب عام بول چال میں وقف کی بے اعتدالی نہایت ناگوار اور غلط ہے تو قرآن پاک میں بے موقع وقف کرنا کس درجہ غلط اور مکروہ و قبیح ہوگا۔ ۱۲

مزید وقف کی اہمیت و ضرورت جاننے کے لیے اتقان، نہایہ، یا دیگر مطولاتِ فن کا مطالعہ کرو۔

اور اکثر آدمی اکثر حرفوں کو صحیح ادا کرتے ہیں صرف بعض بعض حرف میں غلطی ہوتی ہے اور کل حروف کلام اللہ کے انتیس ہیں جیسا کہ مخرج کے بیان میں معلوم ہوگا تو اگر چار، پانچ یا دس، گیارہ حرف کی غلطی ہے۔تو تھوڑی دیر میں اس کو کسی استاذِ کامل سے صحیح کر کے دو، چار روز مشق کر کے پختہ کر لینا تا کہ پھر کبھی غلطی نہ ہو کیا مشکل ہے اگر بالفرض کسی سے سب حرف انتیس صحیح نہ ادا ہوتے ہوں تب بھی دو، دو، چار، چار، حرف روزانہ صحیح کر کے ہفتہ دو ہفتہ میں کل حرف صحیح کر کے چند روز مشق کر لینا، اور پورا کلام اللہ صحیح کر لینا، کچھ مشکل نہیں کیوں کہ تمام کلام اللہ میں یہی انتیس حرف ہیں کہیں کہیں ایک حرف دوسرے حرف سے مل کر بھی دشوار معلوم ہوتا ہے اس وجہ سے جو جو حرف غلط ہوں جب صحیح ہو جاویں تو ایک دفع پورا کلام اللہ سنا دیا جائے۔بس رہا لہجہ عربی سو یہ تجوید وقرأت میں داخل نہیں۔البتہ عربی لہجہ[1] سے کلام اللہ پڑھنا مستحسن اور بہت اچھا[2] ہے اگر نہ ہو سکے تو یہ اس قدر ضروری بھی نہیں۔اگر چہ بلا استاذ کامل محض کتاب سے ترتیل حاصل نہیں ہوسکتی مگر کتاب سے مدد ضرور ملتی ہے اس وجہ سے ترتیل کے ضروری قاعدے لکھے جاتے ہیں۔

---

۱ تجوید کے موافق آواز مزین کرنے کو لہجہ کہتے ہیں اور عربی لہجہ کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ کلام اللہ بھی عربی زبان میں ہے۔۱۲

۲ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن کو پڑھنے میں عمدہ آواز نہ بنائے وہ ہم میں سے نہیں۔لہٰذا لہجے کی طرف سے لاپرواہی بھی نہیں برتنا چاہے۔اور موطا میں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اقرؤ القرآن بلحونِ العَرَبِ۔ یعنی تم قرآن کو عربوں کے لب و لہجے میں پڑھو اور یہ بھی یاد رہے کہ لحونِ عرب سے مراد وہ مخصوص عربی لہجے ہیں جو سلف صالحین سے بتواتر ہم تک پہنچے ہیں۔یعنی حجازی، مصری، یمنی، مایہ، محطا، حسینی، رکبی، عشاق وغیرہ ۱۲

جب[1] وقف کی ضرورت ہو تو حتی الامکان آیات اور علامات وقف کی رعایت کرنا بہت اچھا ہے۔ یعنی آیات پر وقف احب[2] ہے اس کے بعد میم پر، پھر طا پر، پھر جیم پر، پھر زا پر، پھر صاد پر، وقف اولیٰ کو بلا ضرورت چھوڑ کر غیر اولیٰ پر ٹھہرنا مناسب نہیں۔ مثلاً آیت کو چھوڑ کر غیر آیت پر وقف کرنا بہتر نہیں، ہاں اگر آیت دور ہو تو پھر جو وقف اولیٰ ہو اس پر رہاؤ کرے آیت اور علامت وقف پر وقف کرنے سے اعادہ یعنی ماقبل سے دو یا ایک کلمہ لوٹانا نہیں چاہیے، اگرچہ آیت لا[3] یا وقف ضعیف ہو البتہ اگر سانس پوری ہو جانے کی وجہ سے درمیان یا علامات وصل[4] پر وقف کرایا جائے تو اعادہ[5] ضروری ہے۔

---

[1] لغوی معنیٰ ٹھہرنا، رکنا اور اصطلاح میں آخر کلمۂ مقطوعہ پر سانس توڑ کر بقدر ضرورت ٹھہرنے کو وقف کہتے ہیں۔ ۱۲ر

[2] جب کہ اتباع سنت کی نیت سے ہو اور اگر اتباعِ سنت منشاء نہ ہو تو معنیٰ کی رعایت کرتے ہوئے وقف اور وصل کر کے پڑھے پس اگر آیات محلِ تام و کافی میں واقع ہوں تب وقف کرے، مثلاً مالك یوم الدین، نستعین، مفلحون ورنہ وصل کرے مثلاً فویل للمصلین ۝ؗ الرحمن الرحیم۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان گول دائروں پر وصل بھی ثابت ہے۔ اور آپ کا آیات پر وقف فرمانا تعین آیات اور تعلیم آیات کے لیے تھا نہ کہ محل وقف کی تعلیم کے لئے، ورنہ علمائے اوقاف آیات پر علامات وقف اور وصل ہرگز نہ بناتے، جب رؤس آیات کے مواقع کا علم ہو گیا، تو پھر آپ معنوی لحاظ رکھتے ہوئے وقف فرماتے تھے اسی طرح کتب فن میں ہے۔ ۱۲

[3] کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ لا پر وقف فرمانے کے بعد مابعد آیت کے کلمہ سے ابتدا فرمائی ہے نہ کہ ماقبل سے اور وقف ضعیف سے مراد زاء اور صاد ہیں۔ ۱۲ر

[4] یعنی لا اور صلیٰ پر ۱۲ر

[5] لغوی معنیٰ لوٹانے کے ہیں اور اصطلاح میں موقوف علیہ یا اس کے ماقبل سے لوٹا کر پڑھنے کو اعادہ کہتے ہیں اور اعادے کا مقصد کلام میں ربط پیدا کرنا ہے یاد رہے کہ صحیح اعادہ کرنے کے لیے ترجمہ قرآن اور ترکیب نحوی کا جاننا بھی ضروری ہے احقر نے بڑے بڑے اچھے قراء کو وقف اور اعادہ غلط کرتے ہوئے پایا ہے اور وجہ یہی ہے کہ ترجمہ قرآن وغیرہ سے واقف نہیں ہوتے ہیں۔ ۱۲

وقف کا قاعدہ یہ ہے کہ آخر کلمہ میں حرف متحرک کو ساکن[1] کیا جائے اور جو تاء
کی صورت میں ہو اس کو ہا سے بدلا جاوے اور اگر آخر کلمہ میں دو زبر ہوں تو
الف[2] سے بدلا جائے، اور سانس کو توڑ دیا جائے۔ پس اگر وقف ان میں سے کسی
بات کے خلاف ہوگا، تو وقف خلاف قاعدہ ہوگا۔ جیسا کہ اکثر ان باتوں کا لحاظ
نہیں کرتے۔ اسی طرح وصل یعنی جب کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے ملا کر پڑھا
جاوے، یا کسی لفظ سے شروع کیا جائے، تو اس کا قاعدہ استاذ سے سیکھ لیا جائے،
تا کہ لفظ غلط نہ ہو جاوے۔ جیسے سورۂ یوسف میں مبین اقتلوا۔ اگر مبین کو
أقتلوا سے ملا کر پڑھا جائے، تو نون کے دو زیر کو نونِ مکسور پڑھنا چاہئے اور
أُقتلوا کے ہمزہ کو نہ[3] پڑھنا چاہیے بلکہ نونِ مکسور کو قاف سے ملا کر پڑھنا چاہیے۔
اور اگر مُبین پر رہاؤ کیا جائے اور اُقتلوا سے شروع کیا جاوے، تو اُقتلوا کے
ہمزہ کو پیش[4] دے کر پڑھنا چاہیے۔ اگرچہ ہمزہ پر پیش لکھا ہوا نہیں ہے۔

---

[1] اس طور پر کہ حرکت کی بو تک باقی نہ رہے۔ اس کو وقف بالاسکان کہتے ہیں۔ اور یہ تینوں حرکات میں ہوتا ہے۔ موقوف علیہ مضموم میں لبوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرنے کو وقف بالاشمام کہتے ہیں، یہ فقط ضمہ میں ہوتا ہے۔ کیوں کہ اشمام میں انضمام شفتین ہوتا ہے۔ اور انضمام سے اشارہ ضمہ ہی کی جانب ہوگا، جب کہ فتحہ میں انفتاح اور کسرہ میں انخفاض ہوتا ہے۔ موقوف علیہ مضموم مکسور کو ضعیف و ہلکا ادا کرنے کو وقف بالروم کہتے ہیں، کہ قریب والا سن کر اس کی حرکت معلوم کرلے، اور یہ فتحہ میں نہیں ہوتا وجہ یہ ہے کہ فتحہ خود ہی اخف الحرکات ہے۔ اور روم حرکت کو ضعیف کرنے کا نام ہے۔ لہٰذا مزید تخفیف سے حذف کا قوی اندیشہ ہے، ان میں اصل وقف بالاسکان ہے، کیونکہ اس میں بنسبت روم واشمام کے استراحت کا حصول زیادہ ہے۔ ۱۲۔

[2] اس کو وقف بالابدال کہتے ہیں۔ اور چونکہ وقف میں اتباع رسم ضری ہے، اور تنوین مفتوح بالالف مرسوم ہوتی ہے۔ اس لیے الف سے بدل کر پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح جو تاء، ہاء کی

صورت میں مرسوم ہوتی ہے، اس کو وقف میں ہاء سے بدل کر پڑھا جاتا ہے۔ جب کہ تنوین مکسور و مضموم بشکل یا اور واؤ مرسوم نہیں ہوتیں، اس لئے ان کو وقفاً واؤ اور یا سے نہیں بدلا جاتا، بلکہ رسماً محذوف الشکل ہونے کی وجہ سے وقف میں بھی حذف کر کے پڑھیں گے۔۱۲

۳؎ اس لئے کہ ہمزہ وصلی ابتداء میں پڑھا جاتا ہے، نہ کہ وسط میں۔۱۲

۴؎ چونکہ قاعدہ ہے کہ ہمزہ سمیت فعل کے تیسرے حرف پر ضمہ اصلی ہو تو ہمزہ مضمومہ کے ساتھ فعل کی ابتدا ہوگی، چنانچہ محقق فن علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ وَابْدَأْ بِهَمْزِ الْوَصْلِ مِنْ فِعْلٍ بِضَمْ اِنْ كَانَ ثَالِثٌ مِّنَ الْفِعْلِ يُضَمْ (الجزری) اور فعل کے ابتدا کرو ہمزہ وصلی مضمومہ کے ساتھ اگر فعل کے تیسرے حرف پر ضمہ ہو ورنہ ہمزہ وصلی مکسور کے ساتھ فعل کی ابتداء ہوگی، مثلاً اُقْتُلْ اُسْتُنْصِرَ، اِفْتَحْ، اِضْرِبْ۔ ضمہ کی صورت میں کسرہ کے بجائے ضمہ کے ساتھ ابتدا اس لئے ہوگی کہ الکسرہ ضمہ کی ادائیگی عربی زبان میں ثقل کا سبب ہے اور فتحہ کی صورت میں فتحہ کے ساتھ ابتداء اس لیے نہیں ہوگی، تا کہ مضارع مجزوم واحد متکلم کے صیغے کے ساتھ التباس نہ لازم آئے جیسے اِذْهَبْ صیغہ امر کو اگر ہمزہ وصلی مفتوح کے ساتھ شروع کیا جائے تو اَذْهَبْ صیغہ واحد متکلم کے ساتھ وقف میں التباس ہوگا۔۱۲

حالت وصل میں چار جگہ حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں[۱] سکتہ واجب[۲] ہے سورۂ کہف میں لفظ عوجا کے الف پر۔ سورۂ یٰسین میں من[۳] مرقدنا پر، سورۂ قیامہ میں قیل من پر، سورۂ مطففین میں کلا بل پر، اور چار جگہ سکتہ جائز ہے[۴] اعراف میں دو جگہ ظلمنا انفسنا پر۔ دوسرے اولم یتفکروا پر یوسف میں اعرض عن ھذا پر قصص میں یصدر الرعاء پر، ان کے سوا سورۂ فاتحہ[۵] وغیرہ میں کہیں سکتہ نہیں، سکتہ کے[۶] معنیٰ بلا سانس کے توڑے ہوئے آواز بند کر کے تھوڑا ٹھہر جانا۔

---

۱ بطریق شاطبی

۲ یہاں واجب سے مراد واجب عرفی ہے نہ کہ شرعی یعنی روایۃً سکتہ واجب ہے۔ لہٰذا جس نے ان کلمات اربعہ پر سکتہ نہ کیا تو اس نے روایت حفص کو ناقص پڑھا، اور ان سکتات واجبہ کی غرض یہ ہے کہ عوجا پر سکتہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس کے بعد قیما، عوجا کی صفت نہیں چوں کہ دونوں منصوب ہیں، اس لئے شبہہ کا خوف تھا۔ مرقدنا پر سکتہ یہ بتانے کے لیے ہے کہ ھذا کا مشار الیہ مرقدنا نہیں ہے بلکہ مرقدنا پر کفار کا حسرت بھرا کلام ختم ہو چکا ہے۔ اور ھذا سے فرشتوں یا صالح مومنین کا کلام شروع ہوتا ہے۔ اور قیل من، کلا بل پر سکتہ کی غرض مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ ثالث میں یہ فرماتے ہیں کہ تا کہ کلمۂ واحدہ کا مفہوم نہ ہو یعنی اس وہم کو رفع کرنے کے لئے ہے، کہ کوئی ان کو فعّال کے وزن پر نہ سمجھ لے تفصیل کے لئے مطولات فن دیکھو۔ ۱۲ر

۳ اس پر وقف لازم بھی ہے اسی طرح عوجا پر گول دائرہ ہے۔ اس لئے ان دو مواضع پر بجائے سکتہ کے وقف بھی کر سکتے ہیں اور ترک وجوب نہ لازم آئے گا کیوں کہ سکتہ وصل کی حالت میں ہے۔ ہاں وصل کرتے اور سکتہ نہ کرتے تو ترک وجوب لازم آتا، رہا یہ کہ سکتہ اولیٰ ہے یا وقف تو جواب یہ ہے کہ وقف اولیٰ ہے چوں کہ سکتہ سے مقصود اس وہم کو رفع کرنا ہے جو وصل بغیر سکتہ سے پیدا ہو رہا تھا اور یہ وہم وقف میں بدرجہ اتم دور ہو جاتا ہے۔ دیکھو لمعات وغیرہ مگر احقر کی نظر قاصر میں یہ ہے کہ سکتہ اولیٰ ہونا چاہیے کیوں کہ وقف سے کلیۃً

انقطاع کلام اور وصل سے اتصالِ کلام لازم آتا ہے۔ جب کہ سکتہ ایسے مقامات پر کیا گیا ہے کہ جہاں وصل اور وقف کے ۲/دو متضاد تقاضے جمع ہیں جو کہ اہل فن پر مخفی نہیں لہٰذا سکتہ ہی ایک ایسی ادا ہے۔ جس میں وصل اور وقف دونوں موجود ہیں، جس سے اتصال، انفصال برقرار رہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ قاری سے ۲/ مطالبے ہیں ایک وقف کا اور ایک وصل کا بس وقف سے ایک مطالبے پر عمل ہوگا، اور ایک مطالبہ باقی رہے گا۔ جب کہ سکتہ ایسی اداء ہے کہ وہم بھی رفع اور بیک وقت دونوں مطالبوں پر عمل بھی لہٰذا سکتہ اولیٰ ہے۔ ۱۲

۴ مگر بلا اعتقاد روایت ان چار مواضع پر سکتہ کرنا چاہیے، کیوں کہ یہ سکتات روایت سے ثابت نہیں ورنہ کذب فی الروایت لازم آئے گا۔ بلکہ یہ سکتے مثل وقف کے قرآن شریف میں مرسوم ومکتوب ہیں۔ کذافي التنویر۔ مگر بعض کتب فن میں ان مقامات پر سکتہ کرنے سے روکا گیا ہے ہماری ناقص رائے میں یہی زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ حضرت محقق امام جزری فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ سکتہ کا جواز سماع ونقل کے ساتھ مقید ہے۔ لہٰذا یہ اسی جگہ ہوگا جہاں روایت سے ثابت ہو۔ کیوں کہ سکتہ ایک مقصود بالذات طریق ادا ہے، جس کے لیے روایت سے ثبوت ضروری ہے۔ (نشر) لہٰذا جب یہ سکتات نقل وروایت سے نہیں تو ان مواقع پر سکتہ کرنے کی صورت میں نقل وروایت سے ثابت ہونے کا مثل سکتات واجبہ کے سامعین کو شبہہ پیدا ہوگا کہ یہ سکتے بھی راویت سے ثابت ہیں پس نہ کرنے میں بھلائی ہے۔ حضرت نے محض ان کو اس لیے بیان فرمادیا کہ یہ سکتات قرآن شریف میں مکتوب ہیں ان کو کوئی روایۃً نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲/

۵ اس کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ بعض جہال اس میں سات سکتے بتاتے ہیں جو کہ بالکل غلط اور لغو قول ہے۔ تفصیل کے لیے شرح جزری المنح الفکریہ ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۲/

٦ معنیٰ سے اصطلاحی معنیٰ مراد ہیں، اور لغوی معنیٰ خاموشی سکتہ کی دو قسمیں ہیں: لفظی، معنوی، ہمزہ سے قبل ساکن کو کامل وتام اور خود ہمزہ کو صاف ومحقق ادا کرنے کی غرض سے جو سکتہ کیا جائے اس کو سکتہ لفظی کہتے ہیں۔ مثلاً اَلْاَرض، قَدْ اَفْلَحَ سکتہ لفظیہ بطریق شاطبی نہیں ہے البتہ بطریق جزری ہے، اور دو کلموں کے مابین معنوی انفصال ظاہر کرنے کی غرض سے کیا جائے، تو اس کو سکتہ معنویہ کہتے ہیں۔ مثلاً سکتات اربعہ واجبہ ا

حرف کے ادا کرنے میں جس جگہ آواز ٹھہرتی ہے، اس کو مخرج کہتے ہیں۔
موافق کتب تجوید جس حرف کا جو مخرج لکھا جاتا ہے اگر وہ وہیں سے ادا ہو تو
حرف صحیح ہوگا ورنہ غلط صرف اسی غلط حرف کو صحیح اور مخرج اصلی سے ادا کرنے کی
کوشش کرنا ضروری ہے۔ اور مخرج کے پہچاننے کا طریقہ[۱] یہ ہے کہ جس حرف کا
مخرج معلوم کرنا مقصود ہو تو اس کو ساکن[۲] کر کے اس کے پہلے ہمزہ مفتوحہ لا کر ادا کیا
جائے جیسے۔ اَبْ[۳] کی باپس جس جگہ آواز ٹھہر جاوے وہی اس کا مخرج ہوگا۔

---

۱ اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو اس حرف کے بعد ہائے ساکنہ لگائی جائے۔ جیسے۔ بَہْ، جَہْ۔

۲ چونکہ ساکن میں بنسبت متحرک کے آواز کے اعتماد کا ادراک زیادہ ہوتا ہے اس وجہ سے ساکن کی قید لگائی پھر ابتدا بالسکون متعذر ہے لہٰذا ابتداء میں قاعدے کے موافق ہمزہ لاتے ہیں، اور فتحہ کی قید بوجہ اخف الحرکات ہے۔ ۱۲

۳ پہچان مخارج میں باء کو بتایا اس لئے کہ باء کا مخرج پہچاننا زیادہ آسان تھا ورنہ اختیار ہے۔ ۱۲

کل حروف انتیس[1] اور مخرج سترہ[2] ہیں کیونکہ بعض بعض مخرج سے کئی کئی حرف ادا ہوتے ہیں، حلق میں تین مخرج (۱) شروع حلق سینہ[3] کی طرف مخرج ہمزہ اور ہاء کا (۲) بیچ حلق مخرج عین اور حاء مہملہ کا (۳) آخیر حلق مخرج غین اور خاء[4] کا۔

حلق کے چھ حرف ہیں اے مہ لقا[5]، (۱) ہمزہ (۲) ہاء (۳) عین (۴) حاء (۵) غین و (۶) خاء۔

---

[1] مگر امام مبرد نحوی کے نزدیک اٹھائیس ہیں انہوں نے الف اور ہمزہ کو ایک حرف قرار دیا ہے تفصیل کے لیے المنح الفکریہ اور لمعات دیکھو۔۱۲/

[2] تعدادِ مخارج میں قراء کا اختلاف ہے جو کہ بہت معروف ہے لہٰذا اختلاف جاننے کے لیے دیگر کتب تجوید و حواشی ملاحظہ فرمائیں لیکن اکثر علمائے تجوید اور محققین نے حضرت علامہ خلیل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو اختیار کیا ہے حضرت محقق امام جزری نے بھی اسی رائے کو پسند فرمایا ہے۔ لہٰذا حضرت مؤلف نے بھی سترہ والے قول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب میں مخارج کی تفصیل زیادہ ہے علاوہ ازیں امام خلیل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب زیادہ مدلل جامع اور قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے جو کہ اہل فن پر مخفی نہیں۔۱۲/

[3] مخارج کو حلق کی جانب سے اس وجہ سے بیان فرمایا کہ حرف بنتا ہے آواز سے اور آواز بنتی ہے سانس سے جو کہ پھیپھڑوں سے نکل کر اوتار صوتیہ سے ٹکراتی ہے اس کو چوں کہ سب سے پہلے سابقہ حلق سے پڑتا ہے۔ لہٰذا اکثر نے بھی اسی ترتیب کو اختیار فرمایا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر نے پہلا مخرج تو جوف کہا ہے۔ حضرت محقق نے بھی جوف ہی کہا ہے۔ مگر مؤلف نے شروع حلق سے شروع فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر حروف کا مخرج چوں کہ محقق ہے تو برعایت اکثریت اقصائے حلق کو جوف پر مقدم کیا۔۱۲/

[4] ان چھ حرفوں کو حروف حلقیہ کہتے ہیں کیوں کہ یہ حروف حلق سے نکلتے ہیں۔۱۲/

[5] یعنی چاند جیسی اچھی شکل وصورت والے قاری ۱۲/

منہ میں دس مخرج ہیں۔(۱) جڑ زبان حلق کی طرف مع اوپر کے تالو کے مخرج قاف کا (۲) مخرج قاف سے ذرا نیچے[۱] مخرج کاف کا (۳) بیچ زبان مع اوپر کے تالو کے مخرج جیم شین معجمہ یاء غیر مدہ[۲] کا (۴) کنارہ[۳] بیچ زبان مع داڑھوں[۴] کے مخرج ضاد معجمہ کا دونوں جانب[۵] سے بہت مشکل ہے اس سے کم داہنی جانب سے اس سے کم بائیں طرف[۶] سے

ہے تعداد دانتوں کی کل تیس اور دو[۷] ثنایا[۸] ہیں چار اور رباعی[۹] ہیں دودو
ہیں انیاب[۱۰] چار اور باقی رہے بیس کہ کہتے ہیں قراء اضراس[۱۱] اس سب کو
ضواحک[۱۲] ہیں چار اور طواحن[۱۳] ہیں بارہ نواجذ[۱۴] بھی ہیں ان کے بازو میں دودو

---

۱ یعنی جڑ زبان اسفل مع اوپر کے تالو کے اور فوق سے قاف چنانچہ محقق جزری فرماتے ہیں والقافُ اَقْصَی اللسانِ فَوقُ ثُمَّ الکافُ اَسْفَلُ۔ اور قاف کا مخرج اقصی لسان ذرا اوپر کی طرف سے ہے پھر کاف یعنی کاف کا مخرج ذرا نیچے کی طرف ہے اور دونوں حرفوں کو لہویہ کہتے ہیں کیوں کہ یہ حروف لہات کے قریب سے ادا ہوتے ہیں جس کو اردو میں کوّا کہتے ہیں۔

۲ یاء کے ساتھ غیر مدہ کی قید اس لیے ہے۔ تا کہ یاء مدہ نکل جائے، کیوں کہ اس کا مخرج جوف ہے نیز توضیح کے لیے بھی اور ان کو حروف شجریہ کہتے ہیں اس لیے کہ شجر بسکون جیم کے عربی میں معنیٰ ہیں دونوں جڑوں کے ملتے وقت زبان کے اوپر کا وہ حصہ جو تالو سے ملتا ہے چونکہ یہ حروف زبان کے اسی حصہ سے ادا ہوتے ہیں۔۱۲

۳ کنارۂ زبان سے زبان کا وہ حصہ مراد ہے۔ جو داڑھوں کے مقابل ہے جس کو حافہ کہتے ہیں اور حافہ لسان کے دو حصہ ہیں ایک اقصیٰ حافہ۔ دوسرے ادنیٰ حافہ زبان کا جو حصہ ناجذ و طواحن کے مقابل ہے اس کو اقصیٰ حافہ اور جو فقط ضاحک کے مقابل ہے اس کو ادنیٰ حافہ کہتے ہیں اور ضاد کو حافیہ و ضرسیہ کہتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے۔۱۲

۴ داڑھوں سے مراد بالائی داڑھیں ہیں کیونکہ نیچے کی داڑھوں سے کوئی حرف ادا ہوتا ہی نہیں اسی لیے قید نہیں لگائی۔۱۲ر

۵ جانبین سے ادا کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی۔ دیکھو نہایہ صفحہ ۴۳۔ ۱۲ر

۶ یعنی محققین اپنے طویل تجربہ کے بعد فرماتے ہیں کہ ضاد کا ادا کرنا بائیں طرف سے آسان ہے پھر بھی اگر کسی کو دائیں جانب سے ادا کرنے میں آسانی ہو تو اس کے لیے وہ زیادہ آسان ہے۔۱۲ر

۷ یعنی اکثر اشخاص میں بتیس دانت ہوتے ہیں۔۱۲

۸ یہ جمع ہے ثنیۃٌ کی اور ثَ، نِ، یٌ، کے مادے میں دو کے معنیٰ ہیں۔ مثلاً ثنیٰ دو،دو، الثنائی دو والا چونکہ یہ دانت بھی آپس میں کسی فاصلہ کے بغیر دو، دو ملے ہوئے ہیں بایں وجہ ان کو ثنایا کہتے ہیں۔ بخلاف دوسرے دانتوں کے کہ وہ بھی دو، دو ہیں مگر وہ آپس میں ملے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ہر طرف ایک ایک جدا، جدا ہیں اس لیے ان کو ثنایا نہیں کہا جاتا۔۱۲

۹ یعنی ثنایا سے متصل دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک رباعی ہے (را کے زبر کے ساتھ) اس کی جمع رباعیات ہے چونکہ ربع کے معنیٰ چار کے ہیں اور یہ دانت بھی چار ہیں اس لیے ان کو رباعیات کہتے ہیں۔ ان کا دوسرا نام قواطع بھی ہے جو کہ جمع ہے قَاطِعَۃٌ کی جس کے معنیٰ کاٹنے والی کے ہیں۔ چونکہ ان دانتوں سے اشیاء کو کاٹا جاتا ہے۔ اس لئے ان کو قواطع بھی کہتے ہیں۔۱۲ر

۱۰ یعنی رباعیات سے متصل چار دانت انیاب کہے جاتے ہیں جو کہ ناب کی جمع ہے معنیٰ نوکدار کیوں کہ یہ نوکیلے ہوتے ہیں اس لئے ان کو انیاب کا نام دیا گیا۔ ان کا دوسرا نام کواسر ہے جو کاسِـرَۃٌ کی جمع ہے معنیٰ توڑنے والی کیوں کہ ان دانتوں سے چیزوں کو توڑنے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے ان کو کواسر بھی کہتے ہیں۔۱۲ر

۱۱ یہ جمع ہے ضرس کی اور داڑھ کو عربی میں ضرس کہتے ہیں۔ چونکہ مذکورہ دانتوں کے ماسواء بقیہ سب داڑھیں ہیں اس لئے سب کو اضراس کہتے ہیں۔۱۲

۱۲ یعنی انیاب سے ملے ہوئے دانتوں کو ضواحك کہا جاتا ہے۔ یہ جمع ہے ضَاحِکَۃٌ کی اضراس میں عموماً ہنستے وقت یہی ظاہر ہوتی ہیں اس لئے ان کو ضواحک کہتے ہیں۔۱۲ر

۱۳ یعنی ضواحک سے متصل بارہ دانتوں کو (تین اوپر تین نیچے دائیں، بائیں) طواحن کہتے ہیں یہ جمع ہے، طَاحِنَۃٌ کی بمعنیٰ پیسنے والی۔ کیوں کہ یہ داڑھیں بھی غذا کو پیسنے کا کام کرتی ہیں۔ اس لئے ان کو طواحن کہتے ہیں۔۱۲ر

۱۴ یعنی طواحن سے ملے ہوئے اوپر نیچے دائیں بائیں ایک ایک کل چار دانتوں کو نواجذ کہتے ہیں جو کہ جمع ہے ناجذۃ کی اردو میں اسے عقل داڑھ کہتے ہیں عربی میں اسے ناجذۃ العقل۔ کہتے ہیں یعنی وہ داڑھ جو عقل کے پورا ہونے پر نکلتی ہیں۔ چونکہ یہ دانتوں اور داڑھوں میں سب سے آخر میں نکلتی ہیں، اس لئے ان کو نواجذ کہتے ہیں۱۲ر کذافی کتب الفن الشریف۔

(۵) کنارہ زبان[۱] اور ضاحک، ناب، رباعی اور ثنیہ کے مسوڑھے مخرج لام کا ہے اکثر داہنی جانب[۲] سے ادا ہوتا ہے (۶) سرازبان[۳] مع اوپر کے تالو مخرج نون کا (۷) نون کے مخرج سے ذرا اندر[۴] مخرج راء کا (۸) سرازبان مع جڑ ثنایا علیا مخرج تا، دال، طا[۵] کا

۱؎ مع ادنیٰ حافہ۔ واضح ہو کہ طرف لسان کا اردو میں ترجمہ کنارہ زبان ہے اور اس سے زبان کا وہ کنارہ مراد ہے جو دانتوں سے لگتا ہے لہٰذا لام کا مخرج ادنیٰ حافہ سے شروع ہو کر طرف لسان اور ثنایا کے مقابل پر ختم ہوگا اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت مؤلف نے ادنیٰ حافہ کو بیان نہیں کیا تو جواب یہ ہے کہ قدرتی طور پر بوقت تکلم زبان اپنے سامنے ہی لگتی ہے لہٰذا حضرت مؤلف کا ضاحک کا ذکر کرنا ادنیٰ حافہ کے ذکر کو مستلزم ہے ادنیٰ حافہ زبان کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو صرف ضاحک دانت کے مقابل ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔ ۱۲ر

۲؎ اور بعض محققین کی رائے میں اس کو بیک وقت طرفین سے نکالنا بھی صحیح اور آسان ہے بلکہ قراء کے مابین طرف واحد کی بنسبت اس کو ترجیح حاصل ہے معلوم ہوا کہ لام کا مخرج مثل ضاد کے طویل ہے مگر اس کے باوجود ضاد میں صفت استطالت تو ہے، مگر لام میں نہیں؟ جواب یہ ہے کہ لام کے مخرج کی طوالت جریانِ صوت کی سمت میں نہیں بلکہ اس کے عرض میں ہے اسی لئے مخرج کی طوالت طولِ صوت کو مستلزم نہیں ہوئی بخلاف ضاد کے کہ طوالت مخرج جریانِ صوت کی سمت میں ہے لہٰذا ضاد کے طولِ مخرج کی وجہ سے استطالت ضاد میں تو ہے لام میں نہیں۔ دیکھو کتب فن۔ ۱۲ر

۳؎ یعنی کنارہ زبان جب ثنایا، رباعی، ناب کے اوپر تالو سے لگے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس میں ادنیٰ حافہ کو دخل نہیں صرف طرف زبان سے ادا ہوتا ہے۔ اور لام، نون کے درمیان یہی چیز ما بہ الامتیاز ہے کذا فی کتب التجوید۔ جواہر النقیہ و کمال وغیرہما

۴؎ یعنی راء میں پشت زبان کو بھی دخل ہے گویا راء کا مخرج یہ ہوا کہ کنارہ زبان مع پشت زبان جب ثنایا، رباعی کے اوپر تالو سے لگے یاد رہے کہ پشت زبان سے سرازبان کی پشت مراد ہے لہٰذا راء اور نون میں اس طرح فرق ہوا کہ راء میں پشت زبان کو بھی دخل ہے جب کہ نون میں نہیں اور ان حروف ثلاثہ کو ذلقیہ کہتے ہیں، کیوں کہ ذلق کے معنیٰ طرف کے ہے اور یہ طرف زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ بایں وجہ ان کو طرفیہ بھی کہا جاتا ہے۔ ۱۲

۵؎ ان کو نطعیہ کہتے ہیں تنبیہات صفحہ ۳۷ میں دیکھو ۱۲ر

(۹) سرا زبان مع سرا ثنایا[۱] علیا مخرج ثا، ذال، ظا کا (۱۰) نوک زبان مع درمیان سرا ثنایا سفلی وعلیا مخرج زاء، سین[۲]، صاد کا۔ ہونٹ میں دو مخرج ہیں (۱) نیچے کے ہونٹ کی تری مع سرا ثنایا علیا مخرج فاء کا (۲) دونوں لبوں کی تری[۳] مل کر مخرج باء کا اور دونوں کی خشکی مل کر مخرج میم کا اور دونوں کے دونوں کنارے مل کر اور بیچ کھلا رہ کر مخرج واؤ[۴] غیر مدہ کا۔ جوف یعنی حلق اور منہ اور ہونٹ کے درمیان کی خالی جگہ مخرج حروف[۵] مدہ کا ہے۔ حروف مدہ تین ہیں الف اور جس واؤ ساکن سے پہلے پیش اور یاء ساکن سے پہلے زیر ہو الف ہمیشہ بلاضغطہ ساکن ہوتا ہے اور اس کے پہلے ہمیشہ زبر ہوتا ہے بخلاف ہمزہ کے کیوں کہ ہمزہ کبھی متحرک ہوتا ہے کبھی ساکن اور جب ساکن[۶] ہوتا ہے تو ضغطہ یعنی جھٹکے سے ادا ہوتا ہے جیسے شأن، مأکول اور یاء اور واؤ ساکن سے پہلے اگر زبر ہو تو اِن دونوں حروف کو حرف لین[۷] کہتے ہیں۔

۱۔ ثنایا علیا کے سرے سے مراد نیچے والا سرا نہیں بلکہ اندر والا سرا ہے ان حروف ثلاثہ کو لثویہ کہتے ہیں کیوں کہ یہ مسوڑھے کے قریب سے ادا ہوتے ہیں اور لَثَۃٌ کے معنیٰ مسوڑھے کے ہیں چنانچہ صاحب نہایہ علیہ الرحمہ نے لِخروجِھا مِن قُربِ اللِثَۃِ۔ فرمایا ہے۔۱۲

۲۔ ان کو اسلیہ کہا جاتا ہے چونکہ اسل زبان کے اس کنارے کو کہتے ہیں جو سب سے زیادہ باریک ہے اور پتلا ہے اور یہ حروف زبان کے اسی حصہ سے ادا ہوتے ہیں، تو مخرج کی مناسبت سے ان کو اسلیہ کہتے ہیں۔۱۲

۳۔ یعنی باء دونوں ہوٹوں کے اندرونی تر حصہ کو قوت سے اور مکمل ملانے سے نکلتی ہے بایں وجہ اس کو بحری کہتے ہیں۔ یعنی تری والی۔ اور جب کہ میم دونوں لبوں کے بیرونی تر حصہ سے جو کہ خشک حصہ سے متصل ہے نرمی کے ساتھ ملانے سے ادا ہوتی ہے اور اسی خشکی کی مجاورت کی وجہ سے اس کو بری کہتے ہیں یعنی خشکی کے پاس والے تر حصہ سے ادا ہونے والی نہ یہ کہ میم خود خشک حصہ سے ادا ہوتی ہے کیوں کہ یہ خلاف ادا ہے مؤلف نے مجاورت کی وجہ سے

خشکی فرمادیا اس سے یہ سمجھ لینا کہ میم خود خشکی سے ادا ہوتی ہے غلط ہے کیوں کہ اس صورت میں لبوں کو موڑ کر فطرت کے خلاف اندر لے جانا ہوگا جو کہ بیجا تکلف ہے اور ادائیگی میں ثقیل۔۱۲ر

۴ اوران حروف اربعہ کو شفویہ کہتے ہیں کیوں کہ یہ شفت سے ادا ہوتے ہیں چنانچہ صاحب نہایہ نے لِخروجِهاَ منَ الشفهِ۔ فرمایا ہے اور واؤ کے ساتھ غیر مدہ کی قید واؤ مدہ کو نکالنے کے لئے ہے نیز وضاحت کے لئے بھی۔۱۲

۵ محل کی مناسبت کی وجہ سے ان حروف مدہ ثلاثہ کو جوفیہ کہتے ہیں۔۱۲

۶ ہمزہ میں جھٹکہ تو ہمیشہ ہوتا ہے خواہ ساکن ہو یا متحرک مگر چوں کہ ساکن میں غلطی کا امکان ہوتا ہے۔ اور ضغطہ کا ادراک بھی ساکن میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ جب ساکن ہوتا ہے تو ضغطہ یعنی جھٹکہ سے ادا ہوتا ہے۔۱۲

۷ لین کے معنیٰ نرمی کے ہیں چوں کہ واؤ اور یاء ساکن ماقبل مفتوح ہوں تو ادائیگی میں نرمی ہوتی ہے اس لئے ان کو اس حالت میں حرف لین کہتے ہیں۔۱۲

مخرج سترہواں خیشوم یعنی بانسہ ہے یہ مخرج غنہ[1] کا ہے۔ چاہے غنہ صفت نون اور میم کی ہو یا حرف فرعی[2] ہو یعنی وہ نون اور میم جن میں اخفاء[3] یا ادغام ناقص کیا جائے حرف غنہ کی مقدار ایک[4] الف ہے اور صفت غنہ[5] نون اور میم کے ساتھ ہی ادا ہوتی ہے۔ ان دونوں کے سوا کسی حرف میں غنہ نہ کرنا چاہیے۔

---

[1] اس کے لغوی معنیٰ گنگناہٹ کے ہیں اور اصطلاح میں وہ آواز جو ناک کے بانسے میں پہنچ کر ظاہر ہو اسے غنہ کہتے ہیں ۔۱۲

[2] دونوں کا مخرج خیشوم ہے رہا یہ اعتراض کہ غنہ صفت ہے لہٰذا مؤلف کو غنہ کی بحث صفات میں کرنا چاہئے تھی اور یہاں حروف کے مخارج کا بیان ہو رہا ہے؟ چنانچہ علامہ احمد بن محقق جزری رحمہما اللہ الحواشی المفہمۃ صفحہ ۲۶ میں وغنۃ مخرجھا الخشوم کے تحت فرماتے ہیں کہ غنہ صفات میں سے ہے لہٰذا مناسب تھا کہ اس کو صفات ہی میں بیان کیا جاتا اور بجائے اس کے نون مخفی کا مخرج بیان کیا جاتا کیوں کہ اس کا مخرج خیشوم ہی ہے اور نون مخفیٰ حرف ہے۔ بخلاف غنہ کے۔ تو جواب یہ ہے کہ مقصود بالذات تو نون مخفاۃ وغیرہ کا مخرج بیان کرنا ہے اور یہ حرف ہیں پس مؤلف نے حروف ہی کا مخرج بیان فرمایا ہے نہ کہ صفت کا۔ اب اگر اس پر یہ کہا جائے کہ نون مخفی وغیرہ تو حروف فرعیہ میں سے ہیں تو پھر دیگر حروف فرعیہ کے مخارج کیوں بیان نہیں کئے گئے؟ جواب یہ ہے کہ دیگر حروف فرعیہ اپنے اصل حروف کے مخارج سے ہی تعلق رکھتے ہیں جب کہ ان کا مخرج مستقل جدا تھا اس لئے بیان فرمایا نہایہ صفحہ ۴۹ اور جب غنہ بطور صفت ہو تو ان کا مخرج خیشوم تو نہیں مگر ان کی صفت غنہ کا محل وقوع یہی خیشوم ہے اور اس صفت غنہ سے اس باب میں تعرض تبعا لحروف الغنہ ہوگا۔ دیکھو کتب فن ۱۲ر

[3] یعنی نون و میم مخفاۃ اور نون مدغم بادغام ناقص یہ تینوں حروف فرعیہ ہیں کیوں کہ نون مخفیٰ مخرج اصلی اور خیشوم کے مابین دائر ہے اگر چہ مخرج اصلی کا دخل قلیل و مغلوب ہے مگر رہتا ضرور ہے اور علمائے فن کا یہ فرمان کہ لَا عَمَلَ للسان تو محققین فن کے نزدیک اس سے عمل محکم کی نفی مقصود ہے نہ کہ مطلق عمل کی اسی طرح مِیم مخفی میں بھی شفت اور خیشوم کے مابین آواز دائر ہوتی ہے لہٰذ دونوں حروف فرعی ہیں مگر چونکہ اغلب و اکثر آواز خیشوم میں ہوتی ہے

اس لئے ان کا مخرج ہی خیشوم ہو گیا۔ بخلاف نون و میم مشددتان کہ خواہ وضعاً مشدد ہوں یا تشدید ادغام کی وجہ سے اور دونوں متحرک ہوں یا مظہر، تو ان احوال میں مخرج۔ مخرج اصلی ہے نہ کہ خیشوم چوں کہ ان احوال میں مخرج پر قوی اعتماد ہوتا ہے۔ البتہ غنہ بطور صفت ہوتا ہے جس کا محل و مخرج خیشوم ہے۔ اور مؤلف نے نون مدغم بادغام ناقص کو مثل نون و میم مخفاۃ کے حرف فرعی بیان کیا ہے جس کی وجہ شارح خلاصہ نے یہ تحریر کی ہے کہ نون مدغم بادغام ناقص کو اپنا اصلی مخرج چھوڑ کر خیشوم میں منتقل ہو جانے کی وجہ سے حرف فرعی کہتے ہیں۔ ۱۲ر

۴؎ اور نون و میم مشددتان و مدغمان اور میم مقلوبہ کی بھی مقدار ایک الف ہے یعنی ان میں غنہ زمانی ہے۔ اصطلاح میں غنہ زمانی اس کو کہتے ہیں کہ جو غنہ بالقصد و بالارادہ ایک الف کے برابر خیشوم سے ادا ہو، اور جو بغیر ارادے کے خود بخود ادا ہو جائے تو اس کو اصطلاح میں غنہ آنی کہتے ہیں۔ ۱۲ر

۵؎ یعنی نون و میم متحرک اور مظہر کی صورت میں غنہ آنی ہوتا ہے۔ ۱۲ر

☆☆☆☆

صفات کا بیان

صفت[1] حرف کی وہ حالت[2] ہے۔ جس سے مخرج کے کئی حروف آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز[3] اور جدا معلوم ہوتے ہیں۔ اور جس سے حرف صحیح سختی نرمی وغیرہ میں مثل انداز ادائے اہل عرب ہو جاتا ہے............صفات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) لازمہ[4] جو حرف سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ (۲) عارضہ[5] جو کسی صفت لازمہ کی وجہ یا کسی دوسرے حرف کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے[6]......صفات لازمہ مشہورہ بھی مثل مخارج کے سترہ[7] ہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں۔ (۲) ایک متضادہ جس کی ضد کوئی دوسری صفت ہو۔ (۳) دوسری غیر متضادہ جس کی کوئی صفت ضد نہ ہو۔

صفات متضادہ دس ہیں جن میں سے پانچ صفتیں پانچ کی ضد ہیں۔

---

[1] صفت کے لغوی معنیٰ مَاقَامَ بِالشَّیءِ۔ یعنی جو کسی کے ساتھ قائم ہو۔۱۲ر

[2] یہ صفت کی اصطلاحی تعریف ہے یعنی جس حالت کے ساتھ حرف ادا ہوتا ہے اس کو صفت کہتے ہیں۔۱۲ر

[3] صفت کی تعریف کے بعد مؤلف نے صفات کی غرض اور فوائد کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ **پہلا فائدہ** یہ ہے کہ ایک مخرج کے کئی حروف آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً صفت استعلا اور اطباق اگر نہ ہوں تو تا اور طا میں کوئی فرق نہ رہے اسی طرح ذال اور ظا کی آواز ایک ہو جاتی خلاصہ یہ کہ مشترک فی المخارج حروف میں صفات ہی کے ذریعہ فرق کیا جاتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** یہ بیان کیا ہے کہ صفات کے ذریعہ حرف کی سختی و نرمی وغیرہ معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا عزیز طلبائے کرام حرف کو اس کے مخرج اور جملہ صفات کی رعایت کرتے ہوئے اس طرح ادا کرو کہ جس طرح اہل عرب ادا کرتے ہیں، تو صفات کا سب سے اہم فائدہ حروف کے تلفظ میں کمال و تحسین کا پیدا کرنا ہے، وہ حاصل ہوگا۔۱۲ر

[4] اس کو ذاتیہ اور مقوِّمہ بھی کہتے ہیں۔ ذاتیہ کا مطلب ہے حروف کی ذات میں شامل اور

مقوّمہ کا مطلب ہے۔حروف کو قائم کرنے والی یا سیدھا کرنے والی۔۱۲ر

۵ اس کو مُحسِّنَہ، مُحَلِّیہ اور مُزَیِّنَۃ بھی کہتے ہیں مُحَسِّنَہ آراستہ کرنے والی۔مُحلِّیہ، زیور پہنانے والی۔مُزَیِّنَۃ۔ زینت دینے والی۔اگر آپ ان تین اسماء پر غور فرمائیں۔تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسماء مترادفات میں سے ہیں اور ان سے جو مطلب اخذ ہوتا ہے۔وہ یہ ہے کہ یہ ایسی صفات ہیں جو حرف میں خوبصورتی پیدا کرتی ہیں۔۱۲ر

۶ جو کسی، صفت لازمہ کی وجہ سے یا کسی دوسرے حرف کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔اس عبارت کی وضاحت انشاء اللہ آگے بیان کریں گے۔۱۲ر

۷ اس کی تعداد میں قراء کا اختلاف ہے بعض نے سترہ بیان کی ہیں اور وہ محقق امام جزری ہیں اور صاحب رعایہ نے چوالیس تک بیان کی ہیں اور علامہ بزگوی نے اپنی کتاب الدّر الیتیم میں چودہ بیان کی ہیں۔نہایہ صفحہ ۵۵۔۵۴ مگر مؤلف اور اکثر محققین نے خیر الامور اوسطہا کے لحاظ سے سترہ والے قول کو اختیار فرمایا ہے جو کہ بہترین انتخاب ہے۔۱۲ر

(۱) ہمس[۱] جس حرف کی یہ صفت ہو اس کو مہموسہ[۲] کہتے ہیں۔ حرف مہموسہ دس ہیں۔۔۔ جو فَحَثَّهٗ شَخْصٌ[۳] سَكَتَ۔ میں مرکب ہیں ان کے ادا کرتے وقت آواز ان کے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرنا چاہئے کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز پست ہو جائے جیسے یَلْهَثْ کی ثاء (۲) جہریہ[۴] ضد ہمس کی ہے اس کے حروف کو مجہورہ کہتے ہیں، مہموسہ کے سوا سب حروف مجہورہ[۵] ہیں ان کے ادا کرتے وقت ان کے مخرج میں آواز ایسی قوت سے ٹھہرنا چاہئے کہ سانس کا جاری ہونا موقوف ہو جاوے اور آواز بلند ہو۔ جیسے مأکول کا ہمزہ۔

---

۱ ہمس کے لغوی معنیٰ پست صوت کے ہیں اور اصطلاح میں آواز کا مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرنا کہ سانس بھی جاری رہے۔ نہایہ صفحہ ۵۶ **نوٹ:** متن میں تعریف نہیں بلکہ ہمس کی کیفیت ادا بتلائی گئی ہے۔ اس طرح جہر وغیرہ میں بھی سمجھنا۔

۲ چونکہ ان کی ادائیگی میں پستی وضعف پایا جاتا ہے اور ہمس کے معنیٰ ہی پست آواز اور ضعف کے ہیں اس لئے ان کو مہموسہ کہا جاتا ہے اسی طرح تمام حرفوں کی وجہ تسمیہ قیاس کر لو ۱۲

۳ پس اس کو ایک شخص نے ابھارا (مگر) وہ خاموش رہا۔ ۱۲

۴ جہر کے لغوی معنیٰ بلندی کے ہیں اور اصطلاح قراء میں آواز کا مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرنا کہ سانس کامل طور پر بند ہو جائے۔ ۱۲ نہایہ صفحہ ۵۶

۵ یہ انیس حرف ہیں اور ان کا مجموعہ عَظُمَ وَزْنُ قَارِئٍ ذِیْ غَضٍّ جَدَّ طَلَبَ۔ ہے یعنی نیچی نگاہ رکھنے والے قاری کا وزن عظیم ہوا۔ اس نے طلب میں کوشش کی۔ (ایضاً) اگر کوئی یہ کہے کہ مؤلف نے ہمس کے حروف کو تو جمع کیا مگر جہر کے حروف کو جمع نہیں کیا جواب یہ ہے کہ جس صفت میں حروف کم ہیں اس کے جمع کرنے اور ضبط کرنے میں آسانی ہے تو اس کے جمع کا اہتمام کیا باقی کو قاری کی سمجھ پر چھوڑ دیا نیز بغرضِ اختصار صفت ہمس کے حروف کا مجموعہ بیان فرمایا چونکہ حروف مجہورہ کا مجموعہ طویل تھا۔ کذا فی کتب التجوید ۱۲

(۳) شدت[1] اس کے حروف کو شدیدہ کہتے ہیں۔ حروف شدیدہ آٹھ ہیں
اَجِدُقَطٍ بَکَتٍ[2] میں مرکب ہیں۔ ان کے ادا میں آواز ان کے مخرج میں اتنی
قوت سے ٹکنی چاہئے کہ فوراً بند ہو جائے اور سخت ہو جیسے اَحَدُ کی دال۔ حروف
لِنْ عُمَرُ کے ادا میں بھی آواز مخرج میں بند ہو جاتی ہے مگر چونکہ فوراً بند ہو کر کچھ
جاری بھی ہو سکتی[3] ہے۔ جیسے قل کا لام اور ان کی قوت میں کچھ کمی ہے اس وجہ سے
ان کو متوسطہ[3] کہتے ہیں۔ اور کاف، تاء میں اگرچہ آواز فوراً بند ہو جاتی ہے۔ بوجہ
قوتِ شدت کے مگر کچھ سانس بھی جاری رہ سکتی ہے بوجہ ضعف ہمس کے اس وجہ
سے یہ دونوں حرف مہموسہ شدیدہ[4] ہیں حروف شدیدہ جب متحرک ہوتے ہیں تو
جس قدر آواز جاری ہوتی ہے وہ حرکت کی آواز ہوتی ہے۔ (۴) رخو[5] یہ
ضد شدت کی ہے اس کے حروف کو رخوہ کہتے ہیں حروف شدیدہ اور متوسطہ کے
سوا سب رخوہ[6] ہیں ان کے ادا میں آواز ان کے مخرج میں اتنے ضعف سے ٹکنی
چاہئے کہ آواز جاری رہ سکے اور نرم ہو جیسے مَعَایِش کی شین۔

---

[1] شدت کے لغوی معنیٰ سختی اور مضبوطی کے ہیں اور اصطلاحِ فن میں ادائیگی حروف شدیدہ کے وقت آواز ان کے مخرج میں کمالِ قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ آواز بند ہو جائے۔ نہایہ صفحہ ۵۸

[2] میں قط کو محسوس کرتا ہوں کہ وہ روئی ہے۔ قط سے محبوبہ کا نام مراد ہے ایضاً صفحہ ۵۹ یاد رہے کہ قَطٍ مبنی بر کسرا جِـــدُ کا مفعول ہے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جہر میں بھی مخرج پر آواز کا اعتماد قوی ہوتا ہے۔ اور یہی بات شدت کی کیفیت ادا میں مؤلف نے بیان فرمائی گویا دونوں صفات کی ادا میں صوت کا لاعتماد مخرج پر قوت کے ساتھ ہوتا ہے جب عمل دونوں میں مساوی ہے تو پھر نتیجہ مختلف کیوں؟ کہ جہر میں آواز بلند ہوتی ہے اور سانس کا جاری ہونا موقوف ہوتا ہے۔ جب کہ شدت میں صوت میں سختی ہوتی ہے۔ اور صوت بند ہو جاتی ہے جواب یہ ہے کہ جہر میں اعتماد قوت کے ساتھ ہوتا ہے اور شدت میں کمال قوت کے ساتھ یعنی شدت میں اعتماد صوت کی قوت بہ نسبت جہر کے زیادہ ہوتی ہے چنانچہ الشیخ محمد مکی علیہ الرحمہ نے نہایہ میں شدت کی تعریف یہ فرمائی ہے۔ اِنْحِبَاسُ جَرْیِ الصَّوتِ عِنْدَ النُّطْقِ بِالحَرفِ لِکَمَالِ قُوَّةِ الاعْتِمَادِ عَلی

المخرج۔ تو اس تعریف سے معلوم ہوا کہ عمل ہی دونوں کا مختلف ہے لہٰذا نتیجہ بھی مختلف ہے احقر نے حاشیہ میں شدت کی جو تعریف کی ہے وہ اسی عربی تعریف کا ترجمہ ہے۔۱۲/

۳ یعنی شدت و رخاوت کے درمیان ایک صفت اور ہے جس کو توسط کہتے ہیں۔ اس کے لغوی معنیٰ درمیان کے ہیں اور اہل ادا کے نزدیک ادائیگی حرف کے وقت آواز اس کے مخرج میں کچھ جاری رہنے کچھ بند ہونے کو توسط کہتے ہیں۔ اس صفت کے حامل پانچ حرف ہیں جن کا مجموعہ متن میں ہے۔ یعنی اے عمر نرمی کر لِن اور عمر کے درمیان حرف ندا "یا" تخفیفاً حذف ہے۔ "نہایہ" اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ شدت و رخاوت باہم مقابل و متضاد صفتیں ہیں تو پھر حروف لن عمر میں دونوں کیسے جمع ہو گئیں؟ تو جواب یہ ہے کہ اصل تضاد شدتِ کاملہ اور رخاوت مطلقہ کاملہ میں ہے یعنی جس حرف میں شدت کاملہ ہوگی اس میں رخو بالکل نہ پائی جائے گی اور جس حرف میں رخاوت کاملہ ہوگی اس میں شدت قطعاً نہ ہوگی۔ رہی شدتِ ناقصہ و رخاوتِ ناقصہ سو یہ دونوں آپس میں متضاد نہیں بلکہ ان کا جمع ہونا درست ہے (دیکھو کتب فن) ۱۲/

۴ درحقیقت یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ ہمس کی وجہ سے ضعف ہوگا اور شدت کی وجہ سے قوت اور قوت و ضعف کے درمیان تضاد ہے تو کاف اور تاء میں ہمس و شدت کیسے جمع ہو گئیں، لہٰذا مؤلف نے جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں شدت قوی ہے اور ہمس ضعیف، لہٰذا شدت کی قوت کی وجہ سے پہلے صوت بند ہوتی ہے اور بعد میں صفت ہمس کی وجہ سے معمولی سا سانس بھی جاری ہوتا ہے جس کا احساس خود پڑھنے والے ہی کو ہوگا معلوم ہوا کہ دونوں صفتیں بیک وقت نہیں بلکہ اولاً شدت اور پھر ہمس اور ضدوں کا اجتماع ایک وقت میں ناجائز ہے نہ کہ دو وقتوں میں اور یہاں دونوں کا زمانہ مختلف ہے بایں وجہ دونوں حرف مہموسہ۔ شدیدہ ہیں۔ اسی طرح نہایۃ القول المفید وغیرہ میں ہے۔۱۲/

۵ اس کے لغوی معنیٰ نرمی کے ہیں اور اصطلاح میں آواز ان کے مخرج ہیں ایسی نرمی سے ٹھہرے کہ وہ جاری رہے چنانچہ نہایہ صفحہ ۵۹ میں تعریف یہ ہے۔ جِرْیَانُ الصَّوتِ مع الحرفِ لضعفِ الاعتمادِ علی المخرجِ۔ احقر نے جو تعریف کی ہے وہ اسی عربی تعریف ہی کا ترجمہ ہے۔۱۲/

۶ جو کہ سولہ ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ ض، ظا، ذال رخوہ مجہورہ ہیں لہٰذا جب جہر کی وجہ سے سانس بند ہو جائے گی تو رخو کے سبب صوت کیسے جاری ہوگی چونکہ نفس تو بند ہے۔ جواب یہ ہے کہ جہر و رخو کے کسی حرف میں جمع ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جہر کی وجہ سے تمام سانس بند نہیں ہوا بلکہ تمام سانس آواز میں منتقل ہو گیا نہ یہ کہ پھیپھڑوں سے ہوا نکلنی بند ہو جاتی ہے۔ لہٰذا رخوہ ہونے کی وجہ سے آواز بھی جاری رہے گی۔ کذا فی کتب الفن) ۱۲/

(۵) استعلا[1] اس کے حروف کو مستعلیہ کہتے ہیں۔ جو خُصَّ[2] ضَغْطٍ قِظْ۔ میں مرکب ہیں ان کے ادا میں ہمیشہ جڑ زبان اوپر اٹھ جانا چاہئے جس کی وجہ سے یہ حروف پر ہو جائیں[3] جیسے خبیر کی خاء

(۶) استفال[4] یہ ضد استعلا کی ہے اس کے حروف کو مستفلہ[5] کہتے ہیں۔ ان کے ادا میں جڑ زبان اوپر نہ چڑھنا چاہیے جس کی وجہ سے یہ حروف باریک رہیں جیسے ذالک کی ذال۔

---

۱ استعلا کے لغوی معنیٰ ارتفاع اور علو کے ہیں۔ اصطلاح قراء میں دائیگی حرف کے وقت اقصیٰ لسان کا اوپر کے تالو کی طرف بلند ہونا۔ اور حروف مستعلیہ سات ہیں جو کہ متن میں ہیں اگر کہا جائے کہ کاف کی ادائیگی میں بھی اقصیٰ لسان حنک اعلیٰ سے مل جاتی ہے تو اس کو کیوں حروف استعلاء میں شمار نہیں کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اس میں اقصیٰ لسان کا ارتفاع نہیں ہوتا بلکہ وسط لسان اور اقصیٰ لسان کے درمیانی حصے کا ارتفاع ہوتا ہے لہٰذا کاف خارج ہے۔ (نہایہ صفحہ ۶۹)

۲ خُصَّ، البَیْتُ من القصب۔ کے معنیٰ میں ہے، یعنی بانس کا گھر، اور ضغط بمعنیٰ تنگ ہے۔ قِظ امر ہے قَاظَ سے جس کے معنیٰ ہیں گرمی کے وقت قیام کر لہٰذا خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے معنیٰ ہوئے تو گرمی کے موسم میں بانس کے تنگ گھر میں قیام کر نہایۃ القول صفحہ ۶۳ منح الفکریہ صفحہ ۱۷۔

۳ اور یہ پُر کی صفت ان حروف میں لازمی ہے عارضی نہیں کیوں کہ ان حرفوں کو صفت استعلا لازم ہے اور لازم کا لازم، لازم ہوتا ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ صفت استعلا تو لازم ہو اور تفخیم عارضی ہو اسی طرح صفت استفال تو لازم اور ترقیق کی صفت عارضی ہو۔ جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حروف مستعلیہ میں اقصیٰ لسان کا ارتفاع ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں تفخیم عارضی ہوتی ہے۔ یہاں عارض پیش آنے کے معنیٰ میں ہے مگر پائی جاتی ہے۔ بطور لزوم، صفت عارضہ کے معنیٰ میں نہیں اسی طرح صفت استفال میں ترقیق کے عارض ہونے کا مطلب سمجھنا چاہئے کہ عارض وجود و پیش آنے کے معنیٰ میں ہے (دیکھو کتب فن) ورنہ تو صفات لازمہ کا مطلب ہی کچھ نہیں رہ جائے گا۔ عجیب سی بات ہے کہ شدت، رخو،

استعلا، استفال، ہمس، جہر تو صفات لازمہ ہیں مگر سختی، نرمی، تفخیم، ترقیق، پستی، بلندی از قسم صفات عارضہ ہیں۔ از قسم صفات عارضہ کہنے والے ذرا بتائیں تو کہ اگر صاد میں صفت تفخیم بالکل ادا نہ کی جائے تو کیا صاد، سین نہیں ہوگا؟ ضرور ہوگا اسی طرح ظاء میں یہ پر کی صفت ادا نہ کی گئی تو ظاء اور ذال میں بھی کچھ فرق نہیں رہے گا۔ جب کہ یہی پر کی صفت صاد اور ظاء میں ممیّز ہے چنانچہ ابن مؤلف معرفۃ التجوید میں لکھتے ہیں جو حرف ایک دوسرے کے مشابہ ہیں وہ کسی نہ کسی صفت سے ضرور پہچانے جائیں گے ایسی صفت کو صفت ممیّزہ کہتے ہیں۔ پس صاد، طا، ظا، قاف میں صفت ممیّزہ پر ہے۔ اگر صاد وغیرہ میں پر کی صفت کو صفت عارضہ سمجھ لیا جائے۔ جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے، تو لازم آئے گا کہ غلطی لحن خفی ہو اس لئے کہ صفت عارضہ کا ترک لحن خفی ہے۔ حالانکہ صاد، ظا میں یہ ممیّزہ صفت اگر ادا نہ کی گئی تو غلطی لحن جلی ہوگی بلکہ بعض جگہ فساد معنیٰ بھی ثابت ہوا کہ حروف مستعلیہ کی تفخیم لازمی اور دائمی ہے جو کہ ان سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ ۱۲ر

۴ استفال کے معنیٰ نیچے کے ہیں اور اصطلاح میں ادائیگی حروف کے وقت اقصیٰ لسان کا تالو کی طرف بلند نہ ہونا۔ ۱۲ر

۵ علاوہ مستعلیہ کے جملہ حروف مستفلہ ہیں جو کہ بائیس ہیں جن کا مجموعہ اُنْشُرْ حَدِيْثَ عِلْمِكَ سَوْفَ تُجَهَّزْ بِذَا۔ ہے یعنی اپنی علمی بات کو مشہور کر ضرور تجھے اس کے بدلے سروسامان دیا جائے گا۔ ۱۲

(۷) اطباق[۱] اس کے حروف کو مطبقہ کہتے ہیں جو ص، ض، ط[۲]، ظ، ہیں ان کے ادا میں بیچ زبان سے تالو کو ڈھانک لینا چاہیے جیسے مَطْلَع کی طاء۔

(۸) انفتاح[۳] یہ ضد اطباق کی ہے اس کے حروف کو منفتحہ کہتے ہیں۔ حروف مطبقہ کے سوا سب منفتحہ[۴] ہیں ان کے ادا میں بیچ زبان تالو سے جدا[۵] رکھنا چاہیے جیسے کم کا کاف (۹) اذلاق[۶] اس کے حروف کو مذلقہ کہتے ہیں جو فَرَّ مِنْ لُبٍّ[۷] میں مرکب ہیں یہ حروف ہونٹ یا زبان کے کنارے سے اس طرح ادا کیے جائیں کہ بہت سہولت سے ادا ہوں جیسے پھسلتی جگہ سے کوئی چیز بآسانی پھسل[۸] جاتی ہے۔ جیسے مالك کی میم (۱۰) اصمات[۹] یہ ضد اذلاق کی ہے اس کے حروف کو مصمتہ کہتے ہیں جو ماسوائے[۱۰] فَرَّ مِنْ لُبٍّ کے ہیں ان حروف کو ان کے مخرج سے مضبوط اور جماؤ کے ساتھ[۱۱] ادا کرنا چاہیے ورنہ صاف ادا نہ ہوں گے۔

---

۱ اس کے لغوی معنیٰ ڈھانپنا۔ بند کرنا ہیں۔ ۱۲ر

۲ ان حرفوں سے چونکہ کوئی معنیٰ خیز مجموعہ نہیں بنتا اس لئے ان کو جمع نہیں کیا گیا۔ چنانچہ منح الفکر یہ میں ہے۔ لِعَدَمِ حُصُوْلِ مَعْنیٰ فِی تَرْکِیْبِهَا۔ اور اس طرح نہایہ صفحہ ۶۵ پر ہے۔ ۱۲ر

۳ انفتاح کے معنیٰ کھلنا اور الگ ہونے کے ہیں۔ ۱۲ر

۴ جو کہ پچیس ہیں اور نہایہ میں ان کا مجموعہ یہ ہے۔ مَنْ اَخَذَ وِجْدَ سَعَةٍ فَزَكَّا حَقٌّ لَهٗ شُرْبُ غَيْثٍ۔ یعنی جو وسعت مالی پائے اور مال کی زکوۃ ادا کرے تو رحمت کی بارش سے اس کی سیرابی یقینی ہوگی۔ ۱۲

۵ یعنی زبان و تالو کھلا رہے اور صوت کھل کر نکلے اگر آپ کہیں کہ جیم، شین، یا، میں تو زبان کا بیچ اوپر کے تالو سے ملتا ہے۔ تو پھر ان حروف ثلاثہ کو منفتحہ میں کیوں شمار کیا جواب یہ ہے کہ ان تینوں میں بوجہ مخرج زبان کے بیچ کا کچھ حصہ تالو سے ملتا ہے اکثر کھلا رہتا ہے۔ اور حروف

منفتحہ میں زبان کے بیچ کا اکثر حصہ ہی جدا رہنا مراد ہے۔ اس لئے یہ تینوں منفتحہ ہیں۔ ۱۲ر

۶ اذلاق کے معنیٰ پھسلنا۔ تیز ہونا اور اصطلاح قراء میں حرف کو اس کے مخرج سے سرعت وسہولت کے ساتھ ادا کرنے کو اذلاق کہتے ہیں۔ ۱۲ر

۷ معناہ ھَرَبَ الجاھلُ مِنْ ذِیْ لُبٍّ اَیْ مِن عاقلٍ۔ یعنی اس کا معنیٰ جاہل عقل والے سے بھاگا۔ نہایہ صفحہ ۶۶۔ اور اسی طرح منح الفکریہ صفحہ ۱۷ پر ہے یاد رہے فَرَّ مِنْ لُبٍّ کے بجائے فَرَّ مَنْ لَبَّ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی فَرَّ اور لَبَّ دونوں ماضی کے صیغے پڑھے جائیں اور مَنْ موصول لَبَّ صلہ سے مل کر فَرَّ کا فاعل ہوا ب معنیٰ یہ ہوا بھاگا وہ شخص جو عقل مند ہوا۔ معنوی لحاظ سے یہ ترکیب بڑی پاکیزہ ہے چوں کہ اس میں کسی حذف ماننے کی ضرورت نہیں پیدا ہوتی بخلاف فَرَّ مِن لُبٍّ کے کیوں کہ اس میں فَرَّ کا فاعل الجاھل بتایا ہے اور لُبّ سے ذی لُب یعنی عقلمند مراد ہے۔ ۱۲ر

۸ اور یہ حروف سرعت وسہولت کے ساتھ اس لئے ادا ہوتے ہیں چونکہ ان چھ حروف میں سے تین ذلق لسان۔ یعنی زبان کے کنارے سے اور تین ہونٹ کے کنارے سے ادا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز کنارے ہوگی وہ بلا کسی سے مزاحمت کئے ہوئے جلد نکلے گی اسی طرح یہ حرف کنارے ہونے کی وجہ سے سرعت سے ادا ہوتے ہیں، مگر اس امر کا فیصلہ کہ کون سا حرف مخرج کے اعتبار سے سریع وسہل ہے اور کون سا نہیں اس کا فیصلہ اہل زبان ہی کے فیصلے پر ہے۔ پس ان کے فیصلے کے مطابق چھ حروف ہی مذلقہ ہیں لہٰذا۔ ظا، ذال، ثا سے اعتراض نہ کیا جائے کہ ان کا مخرج بھی تو طرف ہے تو ان کو بھی مذلقہ ہونا چاہیے۔ ۱۲ر

۹ اصمات کے لغوی معنیٰ منع کے ہیں۔ ۱۲

۱۰ جو کہ تیئس ہیں اور ان کا مجموعہ نہایہ میں یہ ہے۔ جُزْ غَشَّ سَاخِطٍ صَدَّثِقَةً اِذْ وَعْظُہٗ یَحُضُّكَ یعنی غصہ کرنے والے کے کینے سے باز رہ اور معتمد جان کیوں کہ اس کی نصیحت تجھ کو بھلائی پر ابھارے گی۔ ۱۲ر

۱۱ یعنی ان کی ادائیگی میں سرعت وروانی نہ ہو بلکہ ٹھوس پن ہو۔ ۱۲ر

صفات غیر متضادہ سات ہیں۔(۱) صفیر[۱]۔اس کے حروف کو صفیر یہ کہتے ہیں جو ص، ز، س ہیں ان کے ادا میں ایک آواز تیز مثل[۲] سیٹی کے ہونا چاہیے۔ جیسے مَسَّ کی سین (۲) قلقلہ[۳] اس کے حروف قُطْبُ[۴] جَد ان کے ادا میں خاص کر جب یہ حروف ساکن[۵] ہوں تو ایک آواز لوٹتی ہوئی نکلنی چاہیے نہ وہ مثل تشدید کے ہو نہ کوئی حرکت[۶] مثل قاف فَلَقْ کے۔

---

۱ صفیر لغت میں اس آواز کو کہتے ہیں کہ جس سے جانوروں کو بلایا جاتا ہے۔ نہایہ صفحہ ۶۷

۲ اس سے مراد پرندوں کی وہ آواز ہے جو سیٹی کی طرح نکلتی ہے چنانچہ صاحب نہایہ القول المفید فرماتے ہیں صاد میں مثل مرغابی کے۔ زاء میں مثل شہد کی مکھی کے۔ اور سین میں مثل ٹڈی کے ہوتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ صفت صفیر سین میں زیادہ ہوتی ہے۔ بہ نسبت زاء کے کیوں کہ زاء میں جہر ہے جو کہ جہر کے سبب واضح ہو جائے گا۔ اور زاء میں زیادہ ہے بہ نسبت صاد کے چوں کہ صاد استعلا اور اطباق کی وجہ سے زیادہ قوی ہے لہٰذا یہ بھی واضح اور ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس میں زاء سے بھی کم درجہ کی صفت صفیر ادا کرنی ہوگی۔ کذا فی النہایہ صفحہ ۶۸ اگر کوئی یہ کہے کہ آخر ان میں مثل سیٹی کے آواز کیوں نکلتی ہے یعنی صفت صفیر پائے جانے کی کیا وجہ ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ حرف نوک زبان اور ثنایا سے ادا ہوتے ہیں پس وہاں ان کی صوت (آواز) منحصر اور بند ہو جاتی ہے۔ جس سے سیٹی جیسی باریک آواز صادر ہوتی ہے اور اس کا ادراک حالت سکون میں واضح طور پر ہوتا ہے۔ یہ سبب ہے صفت صفیر پائے جانے کا۔۱۲

۳ اس کے لغوی معنیٰ اضطراب و جنبش کے ہیں اور اصطلاح میں ادائے گی حروف کے وقت مخرج میں سختی کے ساتھ جنبش دینا۔۱۲ر

۴ یعنی بزرگی کا مدار۔ اور ان حروف کو مقلقلہ اور لقلقہ کہتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ان پانچ ہی حرفوں میں صفت قلقلہ پائے جانے کی وجہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ چونکہ ان میں جہر و شدت دونوں جمع ہیں پس جہر سے سانس میں اور شدت سے آواز میں بندش و رکاوٹ ہو جاتی ہے بایں وجہ ادا کرنے میں متکلم کو ایک قسم کی تنگی پیش آتی ہے اور تکلیف کے بغیر ان

کا ظاہر کرنا دشوار ہے لہٰذا ان کے ظاہر کرنے کی غرض سے ان میں قلقلہ پیدا کرنے کی حاجت پیش آئی۔ اگرچہ ہمزہ بھی مجہورہ۔ شدیدہ ہے مگر اس کو حروف قلقلہ میں شمار نہیں کیا گیا کیوں کہ اس میں تخفیف و تعلیل اور اعلال پیش آتا رہتا ہے۔ لہٰذا اس کا شمار حروف قلقلہ میں نہیں ہے۔ دیکھو کتب فن۔۱۲ر

۵ اگر ساکن موقوف مشدد ہوں مثلاً بالحقِّ تو اعلیٰ (دوم) اس سے کم جب ساکن موقوف مخفف ہوں جیسے مُحِیْطَ (سوم) مشدد موصول جیسے اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ (چہارم) ساکن موصول جیسے یَجْمَعُ۔ (پنجم) مطلقاً متحرک مثلاً طَبِعَ، قُلْ، قَدْ، پس یہ قلقلہ کے پانچ مراتب ہوئے اور یہ بھی یاد رہے کہ حروف قلقلہ میں سے قاف میں قلقلہ اکمل بقیہ میں کامل ہوگا کیونکہ قاف میں اضطراب اور ضغطہ بہ نسبت چار کے زیادہ ہے۔۱۲ر

۶ یعنی صرف ایک لوٹتی آواز نکلنی چاہئے نہ یہ کہ حروف قلقلہ کو ساکن سے متحرک یا مشدد بنا دیں یہ سخت غلطی ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔۱۲

(۳) لین[۱] اس کے دونوں حرف کو ان کے مخرج سے بلا تکلف نرم ادا کرنا چاہئے اس طرح پر کہ ان میں اگر مد کرنا چاہیں تو مد ہو سکے۔ مثل یاء صَیف اور واوٗ خَوف کے انحراف[۲] اس کے حروف کو منحرفہ کہتے ہیں جو لام اور راء ہیں۔ لام کے ادا میں آواز سرے زبان کی طرف۔ اور راء کے ادا میں آواز پیٹھ زبان کی طرف پھرے[۳] لیکن اس طرح کہ بجائے لام کے راء اور راء کے بجائے لام نہ ہونے پائے جیسا کہ بعض بچوں سے ہو جاتا ہے۔

---

۱ لین کے معنی لغت میں نرمی کے ہیں اور اصطلاح میں ادائے گی حرف کے وقت آواز کا اس کے مخرج سے بلا تکلف نرم نکلنا۔ اور اس کے حروف کو لینیہ کہتے ہیں۔۱۲

۲ انحراف کے معنی مائل ہونے اور پھرنے کے ہیں۔ اصطلاح میں حروف کو ادا کرتے وقت آواز کا ان کے مخرج سے دوسرے حرف کے مخرج کی طرف مائل ہونا۔۱۲ر

۳ اور کچھ لام کے مخرج کی طرف میلان ہو۔ چنانچہ نہایہ صفحہ ۲۷ پر ابن غازی کے حوالے سے ہے کہ یہ دونوں اپنے مخرج سے منحرف ہو کر ایک دوسرے کے مخرج کی طرف مائل ہوتے پس لام میں طرف لسان کی طرف میلان ہوتا ہے (جو کہ در حقیقت راء کا مخرج ہے) اور راء میں پشت زبان کی طرف اور کچھ لام کے مخرج کی طرف میلان پایا جاتا ہے اسی طرح منح الفکریہ صفحہ ۱۸ اور الحواشی المفہمہ صفحہ ۲۸ پر ہے الحواشی المفہمہ کی عبارت یہ ہے۔ لِاَنَّ اللَّامَ فِيْهِ اِنْحِرَافٌ اِلیٰ طرفِ اللسانِ والرَّاءُ فِيْهَا انحرافٌ الیٰ ظهرِ اللسانِ وَمَيْلٌ قَلِيلٌ الیٰ جِهَةِ اللامِ۔ یعنی لام میں میلان طرف زبان کی طرف ہے اور راء میں پشت زبان کی طرف اور کچھ لام کے مخرج کی طرف میلان ہوتا ہے۔۱۲ر

(۵) تفشّی[۱] یہ صفت شین[۲] معجمہ کی ہے اس کے ادا میں آواز پھیلی ہوئی ہونا چاہئے لیکن آواز اوپر نہ چڑھنے[۳] پاوے ورنہ شین پر ہو جائے گی۔ جیسے شَیْئٍ کی شین

---

[۱] اس کے معنیٰ پھیلنے کے ہیں۔۱۲

[۲] یعنی یہ صفت بالاتفاق شین میں پائی جاتی ہے چوں کہ اس کے مخرج میں قدرے خلا رہتا ہے جس کی وجہ سے آواز مخرج میں پھیلتی ہے اور شین کو متفشیہ کہتے ہیں۔۱۲ر

[۳] بلکہ نکلتی چلی جائے اور تالو سے چمٹے نہیں اسی طرح اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ زبان اندر کو سمٹ کر اس کی نوک اوپر کو نہ اٹھنے پائے بلکہ زبان کو سیدھا رکھ کر ادا کریں ورنہ ان صورتوں میں شین پر ہو جائے گی۔۱۲

(٦) استطالت[1] یہ صفت ضاد معجمہ کی ہے اس کے ادا میں شروع[2] مخرج سے آخر مخرج تک بتدریج آواز نکلنی چاہئے۔ یعنی آواز یکا یک فوراً ایک دفع نہ نکلے تاکہ کیفیت درازی مد کی[3] سی ظاہر ہو جیسے ولا الضالین کا ضاد اس میں دیر تک قصداً آواز کو چکر دینا یا اس کو دال پر یا ظا پڑھنا ٹھیک[4] نہیں بلکہ اس کو اس کے مخرج اصلی سے مع رعایتِ صفات ادا کیا جائے انشاء اللہ ضاد صحیح خود بخود ادا ہو جائے گا لیکن اس کی صحت کسی قاری ماہر سے ضرور کرنی چاہئے کیوں کہ یہ حرف عرب کے سوا دوسری زبان میں نہیں اور قرات نقلی چیز ہے اور جو چیز نقلی ہو وہ محض عقل سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

---

[1] اس کے معنیٰ درازی کے ہیں اور اصطلاح میں حرف کی آواز کا مخرج میں دراز ہونا۔۱۲

[2] یعنی ناجذ مع حافۂ لسان سے آخر مخرج یعنی ضاحک مع حافۂ لسان تک درجہ بدرجہ آواز نکلے۔۱۲ر

[3] مد سے مراد حرف مد ہے نہ کہ فرعی مگر درازیِ ضاد حرف مد سے کم ہوگی لیکن حرکت کی مقدار سے زائد ہوگی تنویر صفحہ ۷۸ اور یہ بھی یاد رکھو کہ حرف مد اور ضاد کی درازی میں فرق ہے۔ پس ضاد میں درازی صوت فی مخرجہ ہے اور حرفِ مد میں درازی صوت فی ذاتہ ہے الحواشی المفہمہ صفحہ ۲۹ کذا فی النہایہ صفحہ ۷۴۔۱۲ر

[4] بلکہ حرام اور بالقصد کفر ہے۔ عزیز طلبہ یاد رکھو کہ یہ تینوں حروف من حیث المخارج والصفات متبائن اور متغائر ہیں یعنی ہر ایک کا مخرج بھی جداگانہ ہے اور صفات میں بھی فرق ہے۔ چنانچہ ضاد، مجہورہ، رخوہ، مستعلیہ، مطبقہ، مصمتہ، مستطیلہ، ہے اور ظا مستطیلہ نہیں لہٰذا دونوں میں ایک صفت کا فرق ہوا کہ ضاد میں استطالت ہے ظاء میں نہیں اور ضاد و دال میں تو پانچ صفات کا فرق ہے۔ یعنی ضاد، رخوہ، مستعلیہ، مطبقہ، مستطیلہ غیر قلقلہ ہے اور دال، شدیدہ، مستفلہ، منفتحہ قصیرہ قلقلہ ہے معلوم ہوا کہ ضاد ان دونوں حرفوں سے بالکل ممتاز اور علیحدہ حرف ہے لہٰذا ضاد کو اس کے مخرج اور تمام صفات کی رعایت کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کی آواز ہر دو سے کلاً ممتاز اور جدا معلوم ہو کہ ہر سامع عام ازیں کہ وہ فنِ تجوید سے مس رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو بآسانی فرق معلوم کرنے اور مشتبہ الصوت کو آڑ بنا کر ضاد کو اس

طرح ادا کرنا کہ مثل ظاء مسموع ہو یا بین الضاد والظا پڑھنا سو یہ گناہِ عظیم اور تحریفِ قرآن کریم ہے کیوں کہ یہ ضاد ضعیفہ مستہجنہ (مہمل و بیکار) کہلائے گا۔ چنانچہ علامہ ابن حاجب اور امام رضی علیہما الرحمۃ نے بین الضاد والظا کو یا اس طرح پڑھنا کہ قریب حرف ظاء کے مسموع ہو مستہجن لکھا ہے۔ صاحب فوائد مکیہ نے متاخرین نیز روافض اور غیر مقلدین کا طریقہ بتایا ہے ملاحظہ ہو حاشیہ فوائد مکیہ صفحہ ۱۳ لہٰذا ضاد کو اس طرح کے تشابہ سے بچانا ضروری تا کہ ضاد کی آواز ظا سے ممتاز و جدا معلوم ہو جیسا کہ محقق فن علیہ الرحمہ ظا سے ممتاز کر کے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں مقدمۃ الجزریہ میں ہے۔ وَالظَّادَ باستطالَةٍ ومخرَجٍ، مَيِّزْمِنَ الضاءِ وكلهاتجئى۔ یعنی ضاد کو ظاء سے استطالت اور مخرج کے ساتھ تمیز کر کے پڑھو اور جملہ ظاء ات آتی ہیں۔ شرح جزری ہندی میں اس شعر کی تشریح یوں ہے۔ ضاد صفت استطالت اور مخرج میں اکیلا ہے اس صفت اور اس مخرج کا کوئی حرف نہیں۔ لہٰذا ضاد کو ہمیشہ تمیز یعنی فرق کر کے پڑھو ظا سے تا کہ مشابہ ظاء کے نہ ہو جاوے اور اسی طرح دیگر کتب فن میں بھی ہے لیکن بعض کتب فن اور فقہی کتب میں مشابہ بالظاء ہونا بھی لکھا ہے۔ چنانچہ صاحب علم الصیغہ حضرت مفتی عنایت احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بلائے عام اس زمانے میں یہ ہوگئی ہے کہ ض کو بصوت دال کے پڑھتے ہیں مشتبہ الصوت دال کا اسے کر دیا ہے کہ دال پر نہیں وہ پر ہے سو یہ بات جملہ کتب قرأت اور تفسیر اور فقہ کے خلاف ہے سب کتابوں میں ض کا مشتبہ الصوت ہونا ظا سے ثابت ہوتا ہے نہ دال سے۔ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمہ نے تفسیر فتح العزیز میں آیت وَمَاهُوعلى الغيب بضنين کی تفسیر میں ایک اور مقام میں ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا ظاء کے ساتھ لکھا ہے اور فتح القدیر اور فتاوی قاضی خاں اور الاتقان اور فقہ کی بہت ساری کتابوں میں اس بات کی تصریح ہے کہ ضاد مشابہ بالظاء ہے۔ (البیان الجزیل للترتیل صفحہ ۴ تا ۵ اور علامہ شیخ محمد مکی علیہ الرحمہ نے نہایہ صفحہ ۷۷ پر فرمایا کہ مرعشی میں دعائیہ سے نقل کرتے ہوئے ہے کہ ضاد مشابہ بالظاء ہے۔ مختصر یہ کہ جن کتب میں بھی مشابہ بالظاء ہونا لکھا ہے۔ تو اس سے مراد مشابہت ناقصہ اور قلیلہ ہے یعنی اتنی کم درجہ کی مشابہت کے سامع کو فرق و امتیاز بھی دشوار ہو کہ ض ظ کے مابین مشابہت ہے بھی یا نہیں جیسا کہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فتاوی رضویہ ثالث میں فرماتے ہیں کہ ضاد کا مشابہ بالظاء ہونا قدرے یقینی یہاں تک تمیز دشوار لفظ قدرے سے وضاحت

ہوگئی کہ اتنی قلیل اور ناقص دونوں کے مابین مشابہت ہے حتی کہ تمیز بھی مشکل ہے کہ مشابہت ہے بھی یا نہیں اور صاحب فوائد مکیہ نے بھی مشابہت کاملہ کی تردید کے بعد ناقصہ اور قلیلہ کے لئے لکھا ہے۔ حاشیہ فوائد مکیہ۔ اوراسی طرح حضور اجمل العلماء علیہ الرحمہ نے بھی فتاویٰ اجملیہ ثانی میں مشابہت ناقصہ دونوں کے مابین بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا اب علمائے فن کے درمیان تضاد بھی نہ رہا کہ ناقصہ اور قلیلہ کا اثبات ہے اور کاملہ وزیادتی مشابہت کا انکار ہے۔ ۱۲ر

تکریر[۱] یہ صفت راء کی ہے اس کے ادا کرنے کے وقت اس کے مخرج میں زبان کو پورے طور پر قرار اور جماؤ نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر بالکل ہی جماؤ سے نہ ادا کی جائے تو بجائے ایک راء کے کئی راء ہو جاویں اسی وجہ سے راء میں ایک قسم کی قوت ہوتی ہے جیسے رب کی راء اگر یہ صفت راء کی نہ ادا کی[۲] جائے تو راء مثل واو ہو جائے لیکن تکریر حد سے زیادہ نہ کرنا چاہیے کہ بجائے ایک راء کے کئی راء ادا ہو جائیں۔

---

[۱] اس کے لغوی معنیٰ اعادۃُ الشئ یعنی کسی چیز کا لوٹانا خواہ ایک بار ہو یا زیادہ اصطلاح میں ادائیگی راء کے وقت طرف لسان میں ارتعاش ہو۔ نہایہ۔

[۲] کیوں کہ یہ صفت راء کے لئے لازم ہے جس کا ادا کرنا ضروری ورنہ راء مثل واؤ ہو جائے گی اور ادا کا طریقہ یہ ہے کہ نوک زبان میں قدرے مضبوطی اور قدرے نرمی رکھ کر راء کو اس طرح ادا کریں کہ کسی قدر ارتعاش یعنی لرزہ ہو کر دوہرے پن کا احساس ہو پس یہ صفت ادائی ہے اور اگر زبان کو پورے طور پر مضبوطی سے چمٹایا گیا کہ ارتعاش بالکل نہ ہو تو راء شدیدہ ہو جائے گی اور راء مثل واؤ کے ادا ہو گی جس سے بچنا ضروری اگر پورے طور پر نرمی ہی سے ادا کیا کہ تھوڑا سا بھی جماؤ نہ ہو تو بجائے ایک راء کے کئی راء ہو جائیں گی۔ اس سے بھی بچنا ضروری ہے خلاصہ یہ ہے کہ صفت تکریر ادائی بھی ہے۔ اور غیر ادائی بھی پس زیادتی تکریر غیر ادائی ہے اور کم درجہ کی تکریر ادائی ہے۔ لہٰذا جن حضرات نے تکریر سے بچنے کا حکم فرمایا ہے تو اس سے ان کی مراد زیادتی تکریر ہے یعنی حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تکریر مظہر سے منع فرمایا ہے نہ کہ تکریر مخفی سے۔ دیکھو کتب فن۔ ۱۲ر

صفات عارضہ کی دو قسمیں (۱) وہ کہ کسی صفت لازمہ[۱] کی وجہ سے پیدا ہو جیسے باریک[۲] ہونا حرف کا بوجہ استفال اور پر ہونا[۳] بوجہ استعلا۔ (۲) وہ کہ کسی دوسرے حرف کے ملنے سے[۴] پیدا ہو کل حروف باریک سوائے مستعلیہ اور اُن حرفوں کے جن میں کبھی کسی وجہ سے صفت استعلا ہو جائے اس قسم کے حروف لام، راء اور الف اور واؤ[۵] ہیں

۱؎ اس کو عارض بالصفت کہتے ہیں چوں کہ صفت کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔۱۲

۲؎ مثلاً رِجَال، اعوذ باللہ وغیرہ ۱۲ر

۳؎ مثلاً صَرَفَ میں حرف راء یا هُوَ اللّٰهُ میں لام اسم جلالت کا صفت استعلا کی وجہ سے پر ہوگا پس استعلا اور استفال تو صفات لازمہ ہوئیں اور تفخیم و ترقیق صفات عارضیہ میں سے ہوئیں جو بعض حروف کو لاحق ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مؤلف نے یہاں جس تفخیم و ترقیق سے متعلق گفتگو کی ہے ان سے ان حرفوں کو تفخیم و ترقیق مراد ہے جن میں یہ دونوں صفات لازمی اور اصلی نہیں بلکہ عارضی اور غیر مستقل ہیں یعنی بعض حالتوں میں ہوتی ہیں اور بعض میں نہیں مثلاً۔ لام، راء۔ وغیرہ جب کہ حروف مستعلیہ کی تفخیم لازمی اور ذاتی ہے لہٰذا حروف مستعلیہ کی تفخیم کے متعلق عارضہ کا شبہ کرنا درست نہیں۔ کذا فی کتب التجوید۔

۴؎ اس کو عارض بالحرف کہتے ہیں کیوں کہ حرف کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اخفاء ادغام وغیرہ

۵؎ مگر واؤ مدہ میں تفخیم و ترقیق کے اعتبار سے متاخرین قراء کی آراء میں اختلاف ہے یعنی بعض نے الف کی طرح اس کو ماقبل کے تابع مانا ہے اور دیگر نے نہیں بلکہ یا مدہ کی طرح باریک ہی ہے کیوں کہ مدہ کے حروف واؤ اور یاء میں فی الجملہ عضو کا عمل باقی رہتا ہے اس لئے وہ اپنے ماقبل کے تابع نہ ہوں گے بلکہ ہر حال میں باریک ہوں گے جب کہ الف محض ہوائی حرف ہے جس میں کسی خاص عضو اور معین مقام کو ذرا بھی دخل و عمل نہیں کہ وہ بالذات تفخیم یا ترقیق سے موصوف ہو سکے بلکہ وہ صرف جوف دہن سے ادا ہوتا ہے اس لئے الف کو ماقبل کے تابع کیا گیا ہے۔ (دیکھو کتب فن نہایہ وغیرہ) تو پس جب واؤ وغیرہ میں محقق عضو کو کسی

قدر دخل و تعلق ہوتا ہے تو اس کو الف کی طرح تابع کیوں مانا جائے نیز علماء فن تجوید نے جو حرف مفخم ذکر کئے ہیں تو حرف مدہ میں سے صرف الف ہی کا ذکر کتب فن میں موجود ہے یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ واؤ باریک ہے ورنہ کہیں تو ذکر ملتا محض علامہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا خیال پیش کیا ہے جو کہ لعلّ یعنی شاید کے ذریعہ ہے۔ وَلَعَلَّ الْحَقَّ انَّ الواؤ المدیۃَ تُفَخَّمُ بَعْدَ حرفِ المفخَمِ۔ شاید درست بات یہ ہے کہ واؤ مدہ پر حرف کے بعد پر پڑھا جائے۔ خود ہی آگے اس بات کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ لیکن مجھے طلب اور مطالعہ نے تھکا دیا اور واؤ کے متعلق نہ مل سکا۔ (نہایہ صفحہ ۱۲) بہر حال یہ صرف علامہ کی رائے ہے اور ان کا اپنا قیاس۔ حاصل یہ ہے کہ واؤ کا باریک ہونا زیادہ راجح ہے مزید تحقیق و تفصیل کے لیے کتب مطولات دیکھو۔ ۱۲ر

حروف مستعلیہ ہمیشہ پر ہوتے ہیں اور لام ہمیشہ باریک ہوتا ہے مگر جب لفظ اللہ کے لام سے پہلے زبر یا پیش ہو تو لفظ اللہ کے دونوں لام[۱] پر ہوں گے جیسے اراد اللہ۔ قَالُوا اللّٰھُمَّ اور سیقول السُّفَھَاءُ مِنَ النَّاس ما ولّٰھُمْ۔ کا لام باریک ہوگا کیوں کہ یہ لام لفظ اللہ کا نہیں ہے اور اگر لفظ اللہ سے پہلے زیر ہو تو لام باریک ہوگا۔ جیسے لِلّٰہ کا لام۔

---

[۱] پر کی وجہ اس اسم اعظم کی تعظیم ہے۔ (کذافی النہایہ صفحہ ۱۲۸) اور یاد رہے حقیقۃً دوسرے لام کی تفخیم تعظیماً ہوتی ہے اور لام تعریف کی تفخیم تو محافظۃً ادغام کی وجہ سے ہے (کذافی التنویر صفحہ ۸۱)۔۱۲

[۲] کیوں کہ کسرہ کی ادائیگی کے بعد لام کی تفخیم میں ارتفاعِ لسان (زبان کو اوپر اٹھانا) ثقیل ومشکل ہے۔ (نہایہ صفحہ ۱۲۸) اور دوسری وجہ یہ ہے تاکہ کسرہ کی ترقیق کے بعد لام کی تفخیم ناگوار معلوم نہ ہو۔ چنانچہ شاطبیہ صفحہ ۳۰ پر ہے۔ وکُلٌّ لَدَی اسمِ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ کَسْرَۃٍ یُرَقِّقُھَا حتی یَرُوقَ مُرَتَّلَا۔ یعنی جملہ قراء اسم جلالت میں کسرہ کے بعد ترقیق اختیار کرتے ہیں تاکہ وضاحت کے ساتھ پڑھے جانے کی وجہ سے خوشنما معلوم ہو۔ لہٰذا یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ کسرہ کے بعد لام اسم جلالت کو باریک پڑھا جاتا ہے اس وقت بھی اس اسم شریف کی تعظیم کے لیے تفخیم کو کیوں نہیں اختیار کیا جاتا!

راء کے پُر اور باریک پڑھنے کے دس قاعدے ہیں۔

(۱) راء پر زبر یا پیش ہو تو راء پُر ہوگی جیسے رَب، رُبَمَا اور زیر ہو تو باریک ہوگی جیسے رِجَالٌ (۲) راء ساکن سے پہلے زبر یا پیش ہو تو پُر ہوگی جیسے فَرْدًا قُرْآنٌ۔ اور زیر اصلی ایک کلمہ میں ہو اور اس راء ساکن کے بعد کوئی حرف مستعلیہ ایک کلمہ میں نہ ہو تو باریک ہوگی جیسے فِرْعَوْنُ۔ جو زیر کسی وجہ سے آیا ہو اس کو زیر عارضی[۱] کہتے ہیں اور جو زیر اصل لفظ کا ہو اس کو زیر اصلی[۲] کہتے ہیں۔

(۳) راء ساکن سے پہلے زیر عارضی ہو تو پُر ہوگی جیسے اِرْجِعُوا اور اَمِ ارْتَابُوْ۔ (۴) راء ساکن سے پہلے زیر ایک کلمہ میں نہ ہو تو پُر ہوگی۔ جیسے رَبِّ ارْجِعُوْنِ (۵) راء ساکن سے پہلے زیر ہو اور اس راء کے بعد حرف مستعلیہ ایک کلمہ میں ہو تو پُر ہوگی جیسے لَبِالْمِرْصَاد مگر لفظ فِرْقٍ میں پُر اور باریک دونوں[۳] جائز ہیں۔

---

۱ یعنی جو زیر حرف ساکن کی ادائیگی کے لیے آئے۔ مثلاً انذِرِ النَّاس کی راء پُر اور اِذْهَبْ کے ہمزہ پر جو زیر ہے۔۱۲

۲ مثلاً اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے ہمزہ پر جو زیر ہے۔۱۲

۳ حرف مستعلیہ کی طرف نظر کرتے ہوئے راء پُر مگر حرف مستعلیہ مکسور ہونے کی وجہ سے چونکہ اس کی فخامت ضعیف ہوگئی اس وجہ سے راء باریک بھی ہوگی اور یہی اولیٰ ہے مگر وقف میں پُر اولیٰ ہے چنانچہ ابن مؤلف فرماتے ہیں کہ لفظ فِرْقٍ پر ٹھہرنے سے راء باریک پڑھنا بھی جائز ہے لیکن پُر پڑھنا اولیٰ ہے۔ (جامع الوقف) اگر اس پر کوئی یہ کہے کہ وقف کی صورت میں صرف حرف راء میں تفخیم ہونی چاہئے تھی کیوں کہ جس وجہ سے راء باریک تھی وہ علت ہی نہ رہی مگر بحالت وقف بھی دونوں وجہیں ہیں تو جواب یہ ہے کہ وقف عارض ہے اور کسرہ اصلی ہے لہٰذا اصلی کا اعتبار کرتے ہوئے راء باریک ہوگی (نہایہ صفحہ ۱۲۴) وکذافی التنویر۔

(٦) راء ساکن سے پہلے زیر ہو اور اس راء کے بعد حرف مستعلیہ دوسرے کلمہ میں ہو تو باریک ہوگی جیسے وَاصْبِرْ صَبْرًا۔ (٧) راء ساکن سے پہلے یا ساکن ہو تو باریک ہو جیسے خَیْرٌ خَبِیْرٌ۔ (٨) راء ساکن سے پہلے ساکن غیر یا ہو اور اس ساکن سے پہلے زبر یا پیش ہو تو پُر ہوگی جیسے نَــارٌ نُــوْرٌ اور زیر ہو تو باریک جیسے اَلسِّحْرُ (٩) راء مشددہ پر زبر یا پیش ہو تو دونوں[٢] راء پُر ہوں گی جیسے۔ لَیْسَ الْبِرَّ وَلَیْسَ الْبِرُّ۔ اور زیر ہو تو دونوں باریک جیسے۔ بِالْبِرِّ۔ (١٠) راء کا زبر بوجہ امالہ کے زیر کی طرف مائل ہو جائے تو راء باریک[٣] ہوگی جیسے بسم اللّٰہ مَجْرٖهَا امالہ۔ کی وجہ سے جب زبر زیر کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد کا الف بھی یا کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ بروایت حفص رحمۃ اللہ علیہ صرف اسی لفظ میں امالہ[٤] ہے اور الف اور واؤ مدہ سے پہلے اگر پُر حرف ہو تو یہ دونوں بھی پُر ہوں گے۔ ورنہ باریک۔

---

[١] کیوں کہ یا دو کسروں کے قائم مقام ہے تو جب راء سے قبل ایک کسرہ ہونے کی حالت میں راء باریک ہوتی ہے تو دو کسروں کی صورت میں بدرجہ اولیٰ باریک ہوگی۔ ١٢

[٢] یعنی رائے مشددہ حکم میں ایک راء کے ہوتی ہے اگرچہ حقیقۃً دو راء ہیں۔ لہٰذا رائے مشددہ پر جیسی حرکت ہوگی اسی کے موافق دونوں راء پڑھی جائیں گی پس بحالت وصل پہلی دوسری کے اور بحالت وقف دوسری پہلی کے تابع ہے۔ ١٢ ار

[٣] کیوں کہ راء کی تفخیم کا سبب یعنی فتحہ خالص نہ رہا بلکہ کسرہ کی طرف مائل ہو گیا اس وجہ سے باریک ہوگی اگر اس پر کوئی یہ کہے کہ ترقیق کا سبب بھی تو یعنی کسرہ خالص نہیں ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ کسرہ غالب ہے لہٰذا للاکثر حکم الکل کے مطابق کالمکسور قرار دیتے ہوئے ترقیق ہے۔ ١٢ ار

[٤] امالہ کا لغوی معنیٰ مائل کرنا ہے اور اصطلاح میں الف کو یا اور فتحہ کو کسرہ کی طرف مائل کرنا اور اگر یہ میلان کسرہ اور یا کی طرف زیادہ ہو تو اسے امالہ کبریٰ کہا جاتا ہے۔ جیسے مَجْرٖهَا۔ میں ہے اور اگر زیادہ آواز فتحہ اور الف کی ہو اور کسرہ اور یا کی طرف میلان کم ہو تو اسے صغریٰ کہا جاتا ہے۔ لمعات صفحہ ٦٨ یاد رکھو امالہ کبریٰ کی ادائیگی مثل تارے کے ہے اور صغریٰ کی ادائیگی مثل بَیْر کے ہے جس کے معنیٰ دشمنی کے ہیں۔ ١٢

جو صفات عارضہ کسی حرف کے ملنے سے پیدا ہوتے ہیں چند قسم پر ہیں۔

(۱) مد[۱] یعنی حرف[۲] کو دوگنہ سہ گونہ وغیرہ موافق ضرورت کے بڑھانا مد صرف حرف مد اور حرف لین[۳] میں ہوتا ہے جب کہ حرف مد کے بعد ہمزہ یا سکون[۴] اور حرف لین کے بعد سکون[۵] آوے سکون اگر اصل لفظ کا ہو تو سکون لازمی اور اصلی کہتے ہیں اور اگر کسی وجہ سے آیا ہو تو سکون عارضی کہتے ہیں حرف مد کے بعد اگر ہمزہ ہو تو مد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مد متصل[۶] اگر حرف مد کے بعد ہمزہ ایک ہی کلمہ میں ہو جیسے جَآءَ، جِیْٓءَ، سُوْٓءُ (۲) مد منفصل[۷] اگر حرف مد کے بعد ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو۔ جیسے مَآ اَنْزَلْنَا، قَالُوْٓا اٰمَنَّا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ۔ مد متصل اور منفصل دونوں کی مقدار بروایت حفص دو یا ڈھائی[۸] یا چار الف ہے لیکن جب پڑھنا شروع کیا جاوے تو جس مد کی جو مقدار پہلے مد میں اختیار کی جاوے وہی آخر تک رہے کہیں دو کہیں ڈھائی کہیں چار الف بڑھانا یا منفصل کی مقدار مد متصل سے زیادہ کرنا درست نہیں بلکہ دونوں کی مقدار برابر یا منفصل کی کم[۹] ہونا چاہئے ایک الف کی مقدار ایک زبر کی مقدار کی دونی ہے۔ حرف مد کے بعد اگر سکون لازمی ہو تو اس مد کو لازم[۱۰] کہتے ہیں۔ مد لازم کی مقدار تین یا پانچ الف ہے اس میں بھی ہر مرتبہ ایک ہی مقدار اختیار کرنا چاہئے۔ مد لازم کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) **کلمی مثقل**[۱۱]: جس میں حرف مد کلمہ میں تشدید سے پہلے ہو۔ جیسے اَتُحَآجُّوْنِّیْ۔

(۲) **کلمی مخفف**: جس میں حرف مد کلمہ میں سکون سے پہلے ہو۔ جیسے آٰلْئٰنَ

(۳) **حرفی مثقل**: جس میں حرف مد کسی حروف مقطعات[۱۲] میں

تشدید سے پہلے ہو جیسے۔ الٓمّٓ کے لام میں

(۴) **حرفی مخفف:** جس میں حرف مد کسی حروف مقطعات میں سکون سے پہلے ہو جیسے الٓمّٓ کے میم میں

---

۱ لغوی معنی درازگی کے ہیں۔

۲ یعنی حروف مدہ اور حروف لین کو ان کی اصلی مقدار سے موافق روایت کے دراز کرنا۔۱۲ر

۳ ان کو محل مد کہتے ہیں مگر حروف مدہ محل مد میں قوی ہیں کیوں کہ ان میں مد اصل ہے۔ اور حروف لین میں مد اصل نہیں بلکہ مشابہتِ حروف مدہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یعنی حرف لین نرمیت میں حروف مدہ کے مشابہ ہیں لہٰذا حروف لین ضعیف محل مد ہیں۔۱۲ر

۴ ان کو سبب مد کہتے ہیں۔۱۲ر

۵ اور اگر حرف لین کے بعد ہمزہ آئے تو ثقالت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں اور وجہ دوم عدم اعتبار کی لمعات صفحہ ۱۱۴ پر دیکھیں۔۱۲ر

۶ متصل بمعنی ملا ہوا چونکہ اس میں ہمزہ حرف مد کے ساتھ ملا ہوتا ہے اس لئے اس کو مد متصل کہتے ہیں اور اس کو باعتبار حکم مد واجب بھی کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ تمام قراء کے یہاں مد ضروری ہے اور قصر جائز نہیں بلکہ قصر کرنا لحن ہے (الحواشی المفہمہ) اور اس مد کی وجہ یہ ہے کہ حرف مد ضعیف و خفی ہوتا ہے اور ہمزہ قوی ثقیل حرف ہے حرف مد کی مقدار میں اس لئے زیادتی کی گئی کہ حرفِ قوی کی مجاورت حاصل ہو سکے اور بعض نے کہا کہ ہمزہ کے بالتحقیق تلفظ پر قدرت حاصل ہو سکے۔ (الحواشی المفہمہ صفحہ ۵۱) اور اسی طرح نہایہ صفحہ ۷۰ پر امام جعبری کے حوالے سے ہے۔۱۲ر

۷ منفصل بمعنیٰ الگ کیوں کہ اس میں ہمزہ حرف مد سے جدا ہوتا ہے اس لئے اس کو مد منفصل کہتے ہیں اور حکم کے اعتبار سے یہ مد جائز ہے کیوں کہ تمام قراء کے یہاں اس میں مد کرنے نہ کرنے کے باب میں اختلاف ہے بایں وجہ مد جائز ہوا اور مد کی زیادتی کی وجہ مد متصل کی حالت پر قیاس کرو۔۱۲ر

۸ مگر دو یا ڈھائی مد اصلی کے بغیر ہے اور مد اصلی سمیت تین ساڑھے تین ہے اور چار الف مد اصلی سمیت ہی ہے جیسا کہ بیان کیا لہٰذا بہتر تھا کہ اس طرح بیان فرماتے کہ مد اصلی کے

بغیر متصل و منفصل کا توسط دو یا ڈھائی الف اور مد اصلی سمیت تین یا ساڑھے تین اور چار الف کے بقدر ہے کذافی کتب الفن۔۱۲

مگر بطریق شاطبی قصر جائز نہیں ہے۔۱۲ر

۹ چوں کہ اس میں سبب مد سکون لازم ہے اور مد لازم میں مد کی توجیہ یہ ہے کہ علم الصرف میں

۱۰ یہ بات اجماعی ہے کہ اجتماع بین السکنین سے احتراز کیا جاتا ہے اگر اجتماع بین السکنین کی نوبت آجائے تو کبھی پہلے ساکن کو حرکت دیجاتی ہے یا پہلے ساکن کو حذف کیا جاتا ہے یا مدیت میں اضافہ کرتے ہیں یہ اضافۂ مدیت گویا حرکت ہی کا بدل ہو جاتا ہے اس مد لازم میں اضافۂ مدیت کی یہی وجہ ہے اس روشنی میں علامہ خاقانی کا یہ قول سمجھا جاسکتا ہے۔ مُدَّت لِاَنَّ السّٰكِنَيْنِ تَلَاقِيَا۔ فَصَارَ كَتَحْرِيْكٍ كَذَ قَالَ ذُوْالْخَبَرْ۔ ترجمہ مد لازم کی قسموں میں اس لئے مد کیا جاتا ہے کہ ان میں دو ساکن جمع ہو جاتے ہیں اور مد کرنے سے گویا حرکت پیدا ہو جاتی ہے باخبر لوگوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ الحواشی المفہمہ صفحہ ۵۰۔۱۲ر

۱۱ کلمی و حرفی مثقل و مخفف نام رکھنے کی توجیہات لمعات میں دیکھو۔

۱۲ مقطعات کے معنیٰ ہیں قطع کئے ہوئے جدا کئے ہوئے اور یہ حروف بھی چونکہ کٹے کٹے اور الگ الگ پڑھے جاتے ہیں اس وجہ سے ان کو مقطعات کہتے ہیں۔۱۲ر

حرف مد کے بعد اگر سکون عارضی ہو تو اس مد کو عارضی کہتے ہیں[1] جیسے یـوم الحساب، یـوم الـدین یعلمون۔ اور مد میں قصر[2] (یعنی حرف کو دونا وغیرہ نہ کرنا) بھی جائز ہے مگر قصر سے توسط اور توسط سے طول اولیٰ[3]۔ قصر کی مقدار ایک الف اور توسط کی مقدار دو الف یا تین اور طول کی مقدار تین الف یا پانچ الف ہے اس مد میں تینوں وجہ طول، توسط، قصر جائز ہیں[4] اور ہر ایک کی مقدار سے جو پہلی جگہ اختیار کی جائے وہی ہر جگہ مناسب ہے صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں اعلان وجوہ جائزہ[5] کی وجہ سے کبھی طول کبھی توسط کبھی قصر اور مقدار کا فرق کر لیا جائے تو جائز ہے۔ بخلاف مد متصل اور منفصل کے کہ ان میں ہر مقدار کو پڑھنا اور جمع کرنا جائز نہیں جیسے مثل یشاء۔ قُرُوْءَ، نَسِیْءٌ۔ میں بوجہ وقف کے دونوں سبب مد کے ہمزہ اور سکون عارضی جمع ہوں تو ان میں پانچ الف[6] کی مقدار بھی مد جائز ہے لیکن قصر جائز نہیں تا کہ الغاء سبب اصلی لازمی اور اعتبار[7] سبب عارضی نہ لازم آئے۔

---

[1] کیوں کہ سبب مد سکون عارض ہے۔ ۱۲ر

[2] قصر کے لغوی معنیٰ ہیں روکنا اور اصطلاح میں اِثْبَاتُ حَرْفِ الْمَدِّ مِنْ غَیْرِ زِیَادَۃٍ عَلَیْہِ۔ یعنی حرف مد کو بغیر کسی زیادتی آواز کے پڑھنا۔ نہایہ صفحہ ۱۶۶

[3] محل مد کے قوی ہونے کی وجہ سے ۱۲ر

[4] مد عارض میں طول کی وجہ یہ ہے کہ اجتماع ساکنین میں یہ لازم کے مشابہ ہے۔ لہٰذا اس سے مماثلت کی بنا پر اس میں طول ہوا مگر چوں کہ اصلی سکون نہیں بلکہ عارضی ہے لہٰذا لازم سے کم درجہ کا مد توسط بھی جائز ہے اور قصر کی وجہ یہ ہے کہ سکون بوجہ وقف ہے اور وقف میں اجتماع ساکنین جائز ہے جیسے الـقـدر۔ والفَجْرُ وغیرہ پس اجتماع ساکنین کی ثقالت کالعدم سمجھی گئی اور قصر بھی جائز ہوا۔ دیکھو نہایہ وغیرہ۔

[5] یعنی جب کئی مد عارض جمع ہوں تو ضرب دینے سے جو وجہیں پیدا ہوں ان کو ظاہر کرنے کے لیے تمام وجوہ کو پڑھا جائے تو اس کو اعلانِ وجوہ کہتے ہیں لہٰذا اگر وجوہ جائزہ کا اظہار و اعلان

مقصود ہو اور وجوہ و مقدار میں مساوات نہ رہے تو کوئی حرج نہیں مگر مد متصل و منفصل میں وجوہ مد کے بارے میں قراء کا اختلاف ہونے کی وجہ سے بغرض الاعلان بھی مقدار مد میں فرق کرنا جائز نہیں۔ مزید وضاحت کے لیے تنویر کا مطالعہ کرو۔۱۲

۶ یعنی جب مد متصل پر وقف کر دیا جائے تو علاوہ مد متصل کے سکون عارض کی وجہ سے مد عارض بھی ہوگا لہٰذا مد عارض کا اعتبار کر کے طول۔ توسط بھی جائز ہے مگر قصر جائز نہیں جس کی وجہ متن میں مذکور ہے۔۱۲ر

۷ سبب عارضی کا اعتبار تو۔ طول، توسط میں بھی لازم آتا ہے لیکن چونکہ طول۔ توسط میں مد متصل کے توسط کی مقدار عملاً ادا ہو جاتی ہے اس وجہ سے اعتبار جائز ہے اور قصر میں ادا نہیں ہوتی لہٰذا اعتبار کو ممنوع قرار دیا۔ مد متصل وقفی کی مزید توضیح تنویر اور لمعات میں دیکھو۔۱۲ر

اگر الٓمٓ اللّٰہ شروع آل عمران کے میم کو لفظ اللّٰہ سے ملا کر پڑھا جاوے تو میم پر زبر[1] دے کر اور لفظ اللّٰہ کا ہمزہ گرا کر پڑھنا چاہئے اور اس وقت میم کی یاء میں مد کرنا نہ کرنا دونوں جائز ہیں۔ مد بوجہ اعتبار سبب اصلی اور قصر[2] بوجہ سکون نہ ہونے کے لیکن میم مشدد نہ ہوجاوے حرف لین کے بعد اگر سکون لازمی ہو جیسے عَیٓنٓ سورہ مریم اور سورہ شوریٰ میں تو اس مد کو مد لازم کہتے ہیں اس میں طول اولیٰ[3] ہے پھر توسط پھر قصر حرف لین کے بعد اگر سکون عارضی ہو تو اس کو مد عارض لین کہتے ہیں جیسے والصَّیْفِ ج اور خَوْفٍ اس میں قصر[4] اولیٰ ہے پھر توسط، پھر طول۔

---

1. میم کو کسرہ کی بجائے فتحہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ توالی کسرات نہ لازم آئے کیوں کہ اس سے پہلے یا مدہ جو دو کسروں کے قائم مقام ہے اور اس سے پہلے بھی کسرہ ہے اور ضمہ اس لئے نہیں دیا کہ وہ ثقیل ہے۔۱۲ر
2. لیکن سکون لازمی کا اعتبار کرتے ہوئے طول اولیٰ ہے۔ (کذا فی التنویر صفحہ ۹۸) ۱۲ر
3. کیوں کہ سبب مد سکون لازم ہے جو کہ قوی ہے۔۱۲ر
4. اس لئے کہ محل مد اور سبب مد دونوں ضعیف ہیں۔۱۲ر

اظہار[۱] یعنی حرف کو اس کے مخرج اور صفات سے بلا کسی تغیر کے اصلی حالت سے ادا کرنا۔ اظہار کے تین قاعدے ہیں۔ (۱) نون ساکن اور تنوین کا اظہار یہ اس وقت ہوگا جب ان کے بعد کوئی حرف حلقی[۲] آئے۔ جیسے۔ انعمت اور علیمٌ خَبِیْرٌ وغیرہ۔

(۲) میم ساکن کا اظہار یہ[۳] اس وقت ہوگا جب کہ میم ساکن کے بعد میم اور با کے علاوہ اور کوئی حرف آوے جیسے ھُمْ فِیْھَا وغیرہ

(۳) لام تعریف کا اظہار یہ اس وقت ہوگا جب کہ اس کے بعد کوئی حرف حروف قمریہ ابـغ حـجك وخف عـقـيـمـه۔ میں سے آوے جیسے وَالْـقَـمَرْ وغیرہ۔ ہر قاعدے کی صرف ایک دو مثالیں اس وجہ سے لکھی جاتی ہیں تاکہ پڑھنے والا خود قاعدے یاد کر کے مثالیں تلاش کر لے۔ بشرط روایت اظہار دو حرفوں کے دوری مخرج کی وجہ سے ہوتا ہے اور ادغام قرب واتحاد مخرج کی وجہ سے۔ اور اخفاء کچھ دوری اور کچھ قرب مخرج کی وجہ سے تنوین دو زبر۔ دو زیر۔ دو پیش کو کہتے ہیں ادا میں یہ بھی نون ساکن ہے اگر تنوین کے بعد کوئی حرف ساکن آوے تو تنوین کو زیر دے کر پڑھنا چاہئے۔ جیسے لُمَزَةِ نِ الَّذِیْ۔ ایسی تنوینِ مکسور کو ہندوستان میں نون قطنی[۴] کہتے ہیں۔

---

[۱] لغوی معنیٰ ظاہر کرنا اصطلاحی تعریف متن میں ہے۔ اظہار صفات عارضہ میں سے نہیں ہے بلکہ صفت اصلیہ ہے جیسا کہ اس کی تعریف سے ظاہر ہے اس کو بیان کرنے حاجت بھی نہیں تھی کیوں کہ صفت اصلی ہونے کی وجہ سے حرف ادا کرنے کے ساتھ ہی خود بخود یہ صفت ادا ہو جاتی ہے۔ بیان صرف اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اس کی ضدوں کو پہچانا جاسکے یعنی اخفاء، ادغام وغیرہ سمجھ میں آجائیں۔ مزید وضاحت لمعات میں دیکھو۔

[۲] ان حروف کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اظہار چونکہ بُعدِ مخرج کی وجہ سے ہوتا ہے اور حروف حلقی

کے آنے سے یہی بُعدیت پائی جاتی ہے۔ یعنی نون اور حروف حلقی کے مخرج میں بُعدیت ہے اس لئے حروف حلقی کو مخصوص کیا۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ حرف حلقی سے قبل نون میں اظہار کا سبب بعد مخرج ہے اسی لئے جتنا زیادہ بُعد ہوگا اتنا ہی قوی اظہار ہوگا لہٰذا ہمزہ اور ہاء سے قبل نون میں اعلیٰ درجہ کا اظہار ہوگا اور عین۔ حاء کے پاس اوسط درجے کا۔ اور غین، خاء کے پاس ادنی درجہ کا اظہار ہوگا۔ غایہ صفحہ ۵۶ وکذا فی النہایہ صفحہ ۱۵۰

۳؎ اس کو اظہار شفوی کہتے ہیں اور شفوی کہنے کی وجہ یہ ہے کیوں کہ میم کا تعلق لبوں سے ہے اور شفت لب کو کہتے ہیں اس لئے میم ساکن کے اخفاء اور اظہار کے ساتھ شفوی کی قید لگا دیتے ہیں۔ نیز نون ساکن وتنوین کے اظہار واخفاء سے ممتاز کرنے کے لئے یہ نام دیا گیا ہے۔ ۱۲ر

۴؎ نون قطنی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قطن کے معنیٰ روئی کے ہیں جس طرح روئی کو اوپر نیچے دو کپڑوں میں سی لیا جاتا ہے۔ تو رزائی وغیرہ بن جاتی ہے پس یہ نون بھی دو حرفوں میں روئی کی طرح پوشیدہ ہوتا ہے اس لئے اسے نون قطنی کہتے ہیں۔ ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے نام پڑ جاتا ہے۔ (کذا فی کتب التجوید) ۱۲ر

ادغام[1] یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف میں ملا کر مشدد پڑھنا پہلا حرف جو ملایا جاتا ہے اس کو مدغم اور دوسرا جس میں ملاتے ہیں اس کو مدغم فیہ کہتے ہیں۔ادغام کے تین قاعدے ہیں۔(۱) ادغام مثلین۔ اگر کسی حرف ساکن کے بعد وہی حرف آوے جیسے قل لکُمْ (۲) ادغام متجانسین اگر ایک مخرج کے دو حرف جمع ہوں اور پہلا ساکن ہو مثل قَدْتَبَیَّنَ، وَاِذْظَّلَمُوْ۔وَیَلْهَثْ ذَّالِكَ، وَقَالَتْ طَّائِفَة، وَارْكَبْ مَّعَنَا، اُجِیْبَ دَّعْوَتُكُمَا۔اَحَطْتُّ۔وغیرہ کے۔

(۳) ادغام متقاربین۔ اگر دو حرف قریب المخرج دو کلمہ کے جمع ہوں اور پہلا ساکن ہو جیسے۔قُلْ رَّبِّ،وَالشَّمْسِ ، وَمِنْ وَّالٍ، ومُحَمَّدٌ رَّسولُ اللّٰه، وَاَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ۔ وغیرہ لام تعریف اور میم ساکن اور نون ساکن اور تنوین کا ادغام انہیں تین قسموں میں مندرج[2] ہے لیکن لام فعل[3] اور مدہ[4] اور حلقی غیر مثلین[5] کا ادغام[6] نہیں اور براویت حفص رحمۃ اللہ علیہ۔یٰسینٓ والقرآن/ اور نٓ والقلمِ میں ادغام نہیں[7] ادغام متجانسین اور متقاربین میں ادغام کے لئے مدغم کو مدغم فیہ کی جنس سے کرنا ضروری ہے اگر مدغم بالکل مدغم فیہ کی جنس سے ہو جائے تو اس کو ادغام تام کہتے ہیں ورنہ ناقص ،صرف حرف یؤمن[8] میں اور طاء کا تا میں ادغام ناقص[9] ہوتا ہے باقی کل ادغام تام ہیں البتہ اَلَمْ نَخلقکُمْ میں ناقص بھی جائز ہے مگر تام اولیٰ[10] ہے اور صرف حرف یُؤمِن میں ادغام باغنہ ہوتا ہے باقی کل ادغام بے غنہ ہوتے ہیں اور جب نون اور میم مشدد ہوں تو ان میں غنہ واجب ہے۔ جیسے اِنَّ اور عَمَّ۔

---

۱ ادغام کے لغوی معنیٰ ادخالُ الشیءِ فی الشی یعنی ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کرنا اور اصطلاحی تعریف متن میں ہے۔۱۲ر

۲ بمعنیٰ داخل چنانچہ لام تعریف کا ادغام حروف شمسیہ میں لام کے علاوہ تمام حرفوں میں

متقاربین ہوگا اور لام میں مثلین اور میم ساکن کا ادغام میم میں مثلین ہوگا اسی طرح نون ساکن اور تنوین کا ادغم یرملون کے حرفوں میں نون کے علاوہ ادغام متقاربین ہوگا اور نون میں مثلین ۱۲ر

۳ جیسے قلْنَا ، جَعَلْنَا ۱۲ر جیسے (۴) جیسے فِیْ یَوْمٍ ، قَالُوْ وَھم ۱۲ر

۵ مثلاً فَصْفَحْ عَنْهُمْ ۱۲ر (۶) لام فعل کا نون میں ادغام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نون کی صفت غنہ نے نون اور لام کے مخرج میں بُعدیت پیدا کردی ہے جب کہ ادغام ہوتا ہے قرب مخرج یا اتحاد مخرج کی وجہ سے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لام صفت انحراف کی وجہ سے قوی ہے اور نون میں صفت غنہ ضعیف صفت ہے جیسا کہ علامہ جزری علیہ الرحمہ نے التمہید میں بیان فرمایا اور اصول ہے کہ قوی کا ضعیف میں ادغام نہیں ہوتا اور رہا لام تعریف کا نون میں ادغام مثل النّار تو وہ کثرتِ وقوع کی وجہ سے ہوا ہے اور حروف مدکا ادغام اس لئے نہیں کہ ان کی ذاتی صفت مدیت فوت ہوجائی گی جو اصلی اور لازمی ہے اور حلقی غیر مثلین کا ادغام بر بنائے ثقل نہیں ہوتا اور اصلی وجہ عدم ادغام کی یہ ہے کہ روایۃً ثابت ہی نہیں۔ کذافی کتب الفن۔

۷ کیوں کہ روایت مانع ہے اور یہ وجہ بھی قراء نے بیان کی ہے کہ حروف مقطعات اپنی اصل وضع کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مقطوع والگ ہی رہتے ہیں پس ان کو اصل وضع پر برقرار رکھتے ہوئے ادغام نہیں کیا ۱۲ر

۸ مگر نون میں تام ہوگا کیوں کہ مثلین میں صرف تام ہوتا ہے۔ یعنی غنہ مدغم فیہ کا ہے اور میم میں اختلاف ہے ابن کیسان نحوی اور ابن مجاہد مقری علیہما الرحمہ وغیرہما نے ناقص فرمایا ہے یعنی غنہ نون کا ہے مگر جمہور کے نزدیک تام ہے یعنی غنہ میم کا ہے اسی کو علامہ دانی اور محققین نے اختیار فرمایا ہے اور یہی اصحّ ہے۔ منح الفکریہ صفحہ ۴۷ اور اسی طرح الحواشی المفہمہ وغیرہ میں بھی ہے اور اصح ہونے کی وجہ لمعات صفحہ ۲۷ پر دیکھلو مگر یہ اختلاف محض لفظی ہے ادا میں کوئی فرق نہیں۔

۹ ناقص کی وجہ معروف ہے یعنی طاء تا سے قوی ہے اور قوی کا ضعیف میں ادغام نہیں ہوتا اگر بوجہ ثقل ہو بھی تو ناقص۔ ۱۲ر

۱۰ کامل رفع ثقل کی وجہ سے تام اولیٰ ہے۔ کذافی التنویر۔ ۱۲ر

(۳) قلب[1] یعنی نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر با آوے تو نون اور تنوین کو میم سے بدل کر اخفاء کیا جائے۔ جیسے لینبذن۔

(۴) اخفاء[2] یعنی نون اور میم کی صرف صفت غنہ مابعد کے حرف سے مل کر ادا ہو اور خود حرف اپنے مخرج سے ادا نہ ہو جیسا پنکھا اور سنگ وغیرہ میں غنہ ادا ہوتا ہے اخفاء کے دو قاعدے ہیں۔ (ا) جب نون ساکن اور تنوین کے بعد حروف حلقی اور یرملون اور الف اور با کے سوا باقی پندرہ[3] حرفوں میں سے کوئی حرف آوے تو نون ساکن اور تنوین میں اخفاء ہوگا جیسے منکم جب میم ساکن کے بعد با آوے تو میم میں اخفاء ہوگا جیسے۔ اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ یعنی میم مخفاۃ اپنے مخرج سے کامل ادا نہ ہو۔

---

[1] قلب کی وجہ یہ ہے کہ نون میں غنہ کا تلفظ اطباق شفتین کے ساتھ ثقل سے خالی نہیں اور ادغام بھی نہیں ہو سکتا تھا کیوں کہ نون اور با کے مخرج کی نوعیت مختلف ہے گویا دونوں میں کوئی تناسب ہی نہیں لہٰذا درمیانی راہ اخفاء متعین ہوا اور اخفاء تک پہنچنے کا راستہ یہ اختیار کیا گیا کہ نون کو میم سے بدلا گیا کیوں کہ میم کو با سے مخرج میں اور نون کے ساتھ غنہ اور دیگر صفات میں مشارکت حاصل ہے۔ الحواشی المفہمہ صفحہ ۴۹ اور اسی طرح منح الفکریہ صفحہ ۴۸ ونہایہ صفحہ ۱۰۷ پر ہے۔

[2] اخفاء کے لغوی معنیٰ چھپانا ہیں اور اصطلاح میں اظہار اور ادغام کی درمیانی حالت کو اخفاء کہتے ہیں۔ ۱۲ر

[3] جن کو شیخ جزوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحفۃ الاطفال میں اس شعر کے اوائل کلمات میں جمع کیا ہے۔ صِفْ ذَا ثَنَا كَمْ جَادَ شَخْصٌ قَدْ سَمَا دُمْ طَيِّباً زِدْ فِي تُقًى ضَعْ ظَالِمَا۔

ص ذ ث ک ج ش ق س۔ د ط ز۔ ف۔ ت۔ ض ظ

ترجمہ تو صاحب تعریف انسان کے اوصاف بیان کر کہ اس شخص نے کتنی سخاوت کی جو بلندیوں کو پہنچا تو ہمیشہ اچھا اخلاق ہو تقویٰ میں زیادہ ہو۔ ظالم کو پست کر، مذکورہ حروف میں اخفاء کی وجہ نہایہ وغیرہ کتب فن میں یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ حروف نہ تو ادغام کی سی

مناسبت رکھتے اور نہ حروف حلقی سے مغائرت لہٰذا درمیانی راستہ اخفاء اختیار کیا گیا اخفاء اور ادغام میں فرق یہ ہے کہ حرف کا اخفاء عند غیرہ ہوتا ہے اور ادغام فی غیرہ ہوتا ہے نیز ادغام میں تشدید ہوتی ہے اور اس میں نہیں۔ الحواشی المفہمہ، اخفاء کی ادا کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ زبان کی نوک نون کے مخرج میں نہایت ضعف کے ساتھ لگے اور خیشوم سے غنہ بقدر ایک الف ظاہر کیا جائے۔ اور رہی یہ ادا کہ حرف مابعد کے مخرج پر اعتماد کی حالت میں نون مخفی کو خیشوم سے اداء کیا جائے جس سے نون مخفاۃ کی آواز بعد والے حرف سے ممزوج ومخلوط ہو کر نکلے جیسے جنگ، سنگ تو یہ غلط ہے کیوں کہ یہ ادغام ناقص ہوا لہٰذا اخفاء کی جو ادا مؤلف نے بتائی ہے سو یہ درست نہیں اور اسی کو مؤلف نے خلاصہ میں بھی لکھا ہے۔ چنانچہ اخفاء کی تعریف یہ بیان کی ہے۔ هِیَ حَالَةٌ بَیْنَ الاظهار والادغام اَیْ ابطال الذات مع بقاءِ الغُنَّةِ اَلممزوجة بِمَابَعْدَهَا۔ ترجمہ: اخفاء واظہار وادغام کی درمیانی حالت ہے یعنی مابعد والے حرف سے مخلوط غنہ کو باقی رکھتے ہوئے ذات کو باطل کرنا ہے۔ اس تعریف میں اور اخفاء کی جو ادا متن میں ہے واضح اشکال یہ ہے کہ مابعد کے ساتھ غنہ کے امتزاج سے اخفاء ادغام کے ساتھ ملتبس ہو جائے گا۔ جو غلط ہے اور یہ طریقہ بھی درست نہیں کہ نون مخفی کو فقط خیشوم سے ادا کرنا اور مخرج اصلی سے ضعیف سا بھی تعلق نہ ہو۔ اس طرح ادائیگی سے حروف مدہ کی تولید ہوتی ہے مثلاً اِنْ کُنْتُمْ سے ایـن کُنْتُمْ اور نون مخفی کو اظہار مع الغنہ کی طرح ادا کرنا یعنی نوک زبان کو تالو سے مضبوطی سے لگا کر غنہ کر ظاہر کرنا تو یہ ادا بھی غلط کیوں کہ یہ اخفاء نہیں۔ عزیز طالب علموں ان تینوں طریقوں سے بچو کیوں کہ کتب فن میں بہت سختی سے منع کیا گیا ہے۔ ۱۲ر

ؔ میم ساکن کے اخفاء کی توجیہ لمعات صفحہ ۷٤ پر دیکھ لو۔ ۱۲

جس حرف میں صفت عارضہ مثل مد منفصل ادغام وغیرہ بعد والے حروف کے ملنے کی وجہ سے ہو اور اس پر رہا ؤ یا سکتہ کیا جاوے تو اس میں وہ صفت عارضہ نہ ادا ہوگی بلکہ وہ حرف اپنی صفت اصلی قصر یا اظہار وغیرہ سے ادا کیا جاوے۔ جیسے قَالُوْآ اٰمَنَّا عِوَجاً قَیِماً ، یَلْھَثْ ذٰلِکَ۔

(۵) **تسہیل**[1]: یعنی جب دو ہمزہ جمع ہوں تو دوسرے ہمزہ کو اس کے حرکت کے مناسب حرف مد اور ہمزہ کے مخرج سے ادا کرنا حفص رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تسہیل کی[2] دو قسمیں ہیں۔

(۱) **واجب**[3]: جو صرف لفظ ءَاَعْجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ میں ہے۔

(۲) **جائز**: جو صرف تین لفظوں میں ہے۔ (۱) آٰ الذَّکَرَیْنِ یہ لفظ صرف دو جگہ سورۂ انعام میں ہے۔ (۲) آٰلْئٰنَ یہ لفظ بھی صرف دو جگہ سورۂ یونس میں ہے۔ (۳) آٰللّٰہُ اَذِنَ سورہ یونس میں اور آٰللّٰہُ خَیْرٌ سورۂ نمل میں یہ لفظ بھی صرف دو ہی جگہ ہے۔ ان تینوں لفظوں میں تسہیل سے ابدال[4] اولیٰ ہے۔

---

[1] لغوی معنٰی آسان کرنا ۱۲ار (۲) بلحاظ حکم۔ ۱۲ار

[3] واجب سے وجوب اصطلاحی مراد ہے اور خاص ءَاَعْجَمِیٌّ میں تسہیل کی وجہ یہ ہے کہ دراصل ہمزہ کے قواعد میں بہت سی لغات ہیں مثلاً تحقیق۔ تسہیل، ابدال و حذف وغیرہ روایت حفص علیہ الرحمۃ میں زیادہ تر ہمزتین فی کلمہ اور کلمتین میں تحقیق ہی ہے جب کہ بعض دیگر قرأت میں تسہیل و ابدال وغیرہ بکثرت ہیں حفص رحمۃ اللہ علیہ نے اس ایک کلمہ میں جمعاً بَیْنَ اللُّغَتَیْنِ یعنی دیگر صحیح لغات کو جمع کرنے کی غرض سے تسہیل فرمائی ہے نیز یہ وجہ بھی ہے کہ کلمہ واحدہ میں تین حروف حلقی جمع ہو رہے ہیں جو کہ ثقالت کا باعث ہیں اس لئے ہمزہ ثانیہ میں تسہیل کر کے اس ثقالت کو رفع کیا گیا ہے۔ ۱۲

[4] کیوں کہ ابدال میں تغیر تام ہے اور تسہیل میں ہمزہ وصلی کا کچھ نہ کچھ اثر رہتا ہے حالانکہ ہمزہ وصلی وسط کلام میں حذف ہو جانا چاہئے مگر حذف اس لئے نہیں کیا گیا کہ حذف کردینے سے

ہمزہ اصلی اور وصلی میں التباس لازم آئے گا کیوں کہ دونوں مفتوح ہیں پس ہمزہ وصلی کو متغیر کر دیا گیا اور چونکہ ابدال میں تغیر تام ہوتا ہے اس لئے تسہیل سے ابدال اولیٰ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کلمات میں دو ہمزہ ہیں اول استفہامیہ قطعیہ مفتوحہ اور ہمزہ ثانیہ وصلیہ مفتوحہ ہے اصول کے تحت وسط کلام میں ہمزہ وصلی حذف ہونا چاہئے مگر حذف کے بعد معلوم نہیں ہو سکے گا کہ ہمزہ موجودہ اصلی ہے یا وصلی کیوں کہ دونوں مفتوح ہیں پس ہمزہ وصلی میں تغیر کر دیا کہ کچھ تو حذف سے مشابہت ہو اور چوں کہ ابدال میں حذف کے ساتھ مشابہت زیادہ ہے اس لئے ابدال اولیٰ ہوا اور ابدال کا لغوی معنیٰ ہے بدلنا اور اصطلاح میں ہمزۂ ساکنہ یا متحرکہ کو ماقبل کی حرکت کے مطابق خالص حرف مد سے بدلنا۔ سوال: تحقیق کسے کہتے ہیں۔ جواب: تحقیق کا لغوی مطلب ہے کسی شئی کا منتہی اور اصل اور اصطلاح میں ہمزہ کو اس کے مخرج اقصی حلق سے مع جمیع صفات کے ادا کرنے کو تحقیق کہتے ہیں۔ ۱۲ر

(۶) اشمام یعنی سنانے کے وقت ہوٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرنا یہ اشمام صرف لفظ لَاتَـامَـنَّا کے پہلے نون میں ادغام[۱] کے وقت ہوگا جو سورۂ یوسف میں ہے روم یعنی کچھ ضمہ بقدر تہائی حرکت کے پڑھنا روم بھی صرف اسی لَاتَـامَـنَّا کے پہلے نون میں ہے جب کہ نون کا اظہار[۲] کیا جاوے۔

---

[۱] ادغام کے وقت اشمام اس لئے ہوگا تا کہ واضح ہو جائے کہ لائے نہی نہیں ہے بلکہ لائے نافیہ ہے کیوں کہ لائے نہی تو آخر میں جزم کرتا ہے اور جزم میں اشمام نہیں ۱۲ر

[۲] اظہار کے ساتھ روم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مثلین کا اظہار خود ہی موجب ثقالت ہے اس لے ساتھ ہی کامل ضمہ کا ادا کرنا اور بھی ثقل کا باعث ہوگا لہٰذا روم کیا گیا کہ کچھ تو تخفیف حاصل ہو، حاصل یہ ہے کہ محض اظہار اور محض ادغام نہیں بلکہ ادغام کے ساتھ اشمام یا اظہار کے ساتھ روم ضروری ہے کذافی کتب التجوید ۱۲ر

(۸) صورت نقل۔ یہ مثل بِئْسَ الاسْمُ الفُسُوق۔ میں ہے اس میں نقل حقیقة[۱] اس وجہ سے نہیں کہ ہمزہ وصلی ہے۔ اگر اِلاسْمُ سے ابتدا کی جاوے تو لِاسْمُ الْفُسُوْق اور اَلِاسْمُ الْفُسُوْق دونوں[۲] جائز ہیں۔

(۹) سکون۔ اس کو بہت جماؤ کے ساتھ ادا کرنا چاہئے تا کہ حرکت نہ ہو جاوے۔

(۱۰) حرکت[۳] زبر وزیر پیش کے گھٹانے بڑھانے اور کھڑے پڑے کا بہت لحاظ رکھنا چاہئے اور زیر اور پیش کو باریک ادا کرنا چاہئے اس کے بعد بعض ضروری باتیں یہ ہیں کہ سورۂ روم کے تینوں لفظ ضعف کے بروایت حفص رحمۃ اللہ علیہ ضاد کے زبر سے بھی ثابت ہیں لفظ لٰکِنَّا هُوَ اللّٰهُ اور الظُّنُوْنَا اور الرَّسُوْلَا اور اَلسَّبِيْلَا اور سَلَاسِلَا اور پہلا قَوَارِيْرَا اور کل لفظ اَنَا ان سب کے الف صرف وقف میں پڑھے جاویں[۴] گے وصل میں نہ پڑھے جاویں گے لیکن سَلَاسِلَا وقف میں بغیر الف کے بھی[۵] جائز ہے اور قَوَارِيْرَا ثانی میں نہ الف وقف میں ہے نہ وصل[۶] میں

---

[۱] کیوں کہ نقل حقیقی حرف صحیح ساکن کے بعد ہمزہ قطعی آنے سے ہوتی ہے جیسے بقرات ورش الٓمّٓ اَحَسِبَ وغیرہ میں نقل حقیقی ہے لہٰذا نقل حقیقی تو ہے نہیں کیوں کہ ہمزہ وصلی ہے مگر مثلِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْق میں نقل حقیقی کی طرح ہمزہ وصلی کی حرکت نقل کر کے ماقبل کے حرف ساکن کو دی گئی اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے تو یہ صورت نقل ہے صورت بمعنیٰ مثل ہے خلاصہ یہ ہے کہ بعض قراء کو رائے یہ ہے کہ جس طرح حرف صحیح ساکن کے بعد ہمزہ قطعی کی حرکت نقل کر کے ماقبل کے حرف صحیح ساکن کو دے کر ہمزہ کو حذف کر دیتے ہیں پس اسی کے مثل ہمزہ وصلی کی حرکت نقل کر کے ماقبل کے حرف ساکن کو دے دیتے ہیں لہٰذا یہاں لام پر جو کسرہ ہے تو وہ اسم کے ہمزہ کا ہے اس لئے یہ صورت نقل ہے مگر قوی بات یہ ہے کہ لام پر کسرہ نقل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے جیسا کہ فوائد مکیہ صفحہ

۲۱ پر ہے کہ لام کا کسرہ بسبب اجتماع ساکنین کے ہے اور خود مؤلف نے خلاصہ میں لام کا کسرہ اجتماع ساکنین کے سبب سے ہونا فرمایا ہے نیز ابن مؤلف نے تنویر میں فرمایا کہ اگر ہمزہ وصلی مکسور سے پہلے کوئی ساکن حرف ہو تو اجتماع ساکنین کے قاعدے سے اول ساکن کو کسرہ پڑھا جاتا ہے اور ہمزہ وصلی حذف کر دیا جاتا ہے مختصر یہ کہ اکثر قراء نے یہی فرمایا ہے کہ لام کا کسرہ اجتماع ساکنین کے سبب ہے نہ کہ نقل کے سبب۔ دیکھو کتب فن ۔۱۲

۲ یعنی لام کے قبل جو ہمزہ ہے اس کا اثبات و حذف دونوں جائز ہے حذف تو اس لئے کہ ہمزہ وصلی کا مابعد متحرک ہو گیا لہٰذا ہمزہ وصلی کو زائد کرنے کی مجبوری باقی نہ رہی کیوں کہ زائد اس لئے کیا جاتا ہے کہ حرف ساکن سے ابتدا متعذر رہوتی ہے مگر چوں کہ لام کا کسرہ عارضی ہے اور عارض لا اعتبار ہوتا ہے۔ پس عارضی کو کلعدم قرار دیتے ہوئے اثبات بھی جائز ہے اور اسی کو موافقت رسم کی وجہ سے اولیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اور یاد رہے کہ بِئْسَ پر وقف جائز نہیں ہے کیوں بِئْسَ فعل ہے اور فعل پر بلا فاعل کے وقف منع ہے اسی لئے ابن مؤلف نے فرمایا کہ متن کی عبارت میں اتبدا سے مراد اعادہ ہے کیوں کہ بِئْسَ پر وقف جائز نہیں۔ مزید فرمایا کہ فسوق پر وقف کے بعد اعادہ دونوں طرح ہوگا۔ یعنی لِسْمَ اور اَلِسْمَ (تنویر) مگر میں کہتا ہوں کہ پھر بھی اعتراض ہوگا کہ فاعل سے بلا فعل کے اعادہ بھی تو جائز نہیں ہے جیسا کہ خود ابن مؤلف نے معرفۃ الوقوف میں صفحہ ۲۹ پر صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ فاعل سے بلا فعل کے اعادہ بھی قبیح ہے لہٰذا فسوق کے آگے بعد الایمان پر وقف کرنے کے بعد آگے پڑھے اور اگر کسی عارض کے تحت فسوق پر وقف کیا تو اعادہ بئس سے کرے نہ کہ الاسم سے تاکہ کلام میں بے ربطی نہ ہو۔ اور ہاں اگر کوئی کسی وجہ سے الاسم سے پڑھے تو تلفظ وہی ہوگا جو مذکور ہوا۔ یعنی لِسْمِ اور اَلِسْمِ۔ اور بِئْسَ الاسم الفسوق بعد الایمان کا ترجمہ یہ ہے۔ کیا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا ترجمہ سے اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ کہاں وقف کرنا چاہئے اور کہاں نہیں اسی طرح اعادہ بھی کہ کس جگہ سے صحیح ہے اور کہاں سے صحیح نہیں۔ ۱۲ ر

۳ حرکت کے لغوی معنیٰ ہیں ہلانا یا مضطرب کرنا اور اصطلاح میں وہ آواز جو کسی حرف پر ارادتاً زیادہ کی جائے اس کو حرکت کہتے ہیں۔ جس طرح حرف کی دو قسمیں [illegible]سلی اور فرعی اسی طرح حرکت کی بھی دو قسمیں ہیں حرکت اصلیہ۔ حرکت فرعیہ، جس حرکت میں کسی دوسری حرکت

کا اختلاط نہ ہو اس کو حرکت اصلیہ کہتے ہیں وہ تین ہیں فتحہ، کسرہ، ضمہ، جس حرکت میں کسی دوسری حرکت کا اختلاط ہو اس کو حرکت فرعیہ کہتے ہیں حضرت امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں فقط ایک ہی فتحہ ممالہ ۱۲ ار

۴ کیوں کہ وقف رسم خط کے تابع ہوتا ہے۔ اس لئے بالالف وقف ہوگا۔ اور وصل میں قراۃ ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ان کلمات کے الفات نہیں پڑھے جائیں گے اور یاد رکھو کہ الظُّنونا، الرَّسولا، السَّبیلا میں الفات کی زیادتی کی وجہ فواصل کی رعایت ہے یعنی تینوں کلمات روس آیات پر واقع ہیں اور سَلاَ سِلاَ و دونوں قواریرا میں الف کی زیادتی کی وجہ شمول قرأت ہے اور انا ضمیر میں الف کی زیادتی کی وجہ یہ ہے تا کہ ان مخففہ اور ان ناصبہ سے آنا ضمیر کو امتیاز حاصل ہو جائے اور لفظ اَنا سے مراد ضمیر مرفوع منفصل ہے پس اس سے اَناب انا بوا اَناسی کے مثل کلمات نکل گئے اور لکنّا ھو اللہ چوں کہ لٰکن آنا ہے بغرض تخفیف اس کو لکنا کر دیا گیا ہے مزید تفصیل کتُب فن رسم میں دیکھو۔ ۱۲

۵ یعنی سَلاسِلاَ میں وقف کی دوسری وجہ روایت حفص علیہ الرحمہ میں حذف الف مع سکون لام سلاسل بھی ہے وصل کی اتباع کرتے ہوئے ۱۲ ار

۶ کیوں ثانی رأس آیت پر نہیں ہے اس لئے اتباعاً للاصل الف کسی میں نہیں پڑھا جائے گا۔ اور چونکہ قواریرا اول رأس آیت پر واقع ہے۔ اس لئے اتباعاً لرسم الف پر وقف کیا گیا تا کہ ساری آیات کا وقف ایک جیسا ہو جائے اور ہم وزن معلوم ہوں کذا فی کتب الرسم ۱۲

اور جو حرف تماثل فی الرسم[۱] کی وجہ سے نہیں لکھا جاتا وہ وقف اور وصل دونوں[۲] حالتوں میں پڑھا جاتا ہے جیسے۔ تَلُوا اور یُحْیٖ وغیرہ یَبْصُطُ سورۂ بقرہ میں اور بَصْطَةً۔ سورۂ اعراف میں یہ دونوں لفظ باوجود ص سے لکھے جاتے ہیں مگر ان کو سین سے پڑھنا چاہیئے[۳] اور مُصَيْطِرُوْنَ جو سورۂ سے اس میں صاد اور سین دونوں جائز ہیں اگر دو کلمے ملا لکھے[۴] ہوں تو درمیان میں وقف نہ کرنا چاہیئے بلکہ دوسرے کلمہ کے آخر پر رہاؤ کرنا چاہیئے اس کے سوا رسم خط کے متعلق بہت سے قواعد ہیں لہٰذا کتب[۵] رسم خط سے رسم خط قرآن کا قاری کو جاننا بہت ضروری ہے فقط۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

۱۔ تماثل فی الرسم کا مطلب ہے لکھائی میں ہم مثل ہونا یعنی جب کسی کلمہ کے آخر میں دو الف یا دو واؤ یا دو یا ہوں یا دو سے زائد تو ایک کو باقی رکھ کر دوسروں کو بوجہ تکرار رسم۔ اہل رسم حذف کر دیتے ہیں تاکہ رسماً مماثلت نہ لازم آئے اسی تکرار رسم کو تماثل فی الرسم کہتے ہیں۔ ۱۲ر

۲۔ یعنی وصل میں تو پڑھا ہی جاتا ہے وقف میں بھی ثابت ہوگا کیوں کہ تماثل فی الرسم کی وجہ سے حذف شدہ حرف حکماً مرسوم ہوتا ہے۔ ۱۲ر

۳۔ اور صاد سے پڑھنا روایت حفص علیہ الرحمہ میں جائز نہیں کیوں کہ ہماری روایت میں اصل کے مطابق سین پڑھی گئی ہے۔ (اور صاد سے لکھنے کی وجہ یہ ہے) تاکہ صاد والی قرأت کو بھی یہ رسم شامل ہو جائے یعنی سین کی قرات اصل سے سمجھ لی جائے اور صاد والی قرأت رسم صریح سے نکل آئے۔ لیکن مُصَيْطِرُوْنَ۔ میں صاد و سین دونوں صحیح ہے اور یاد رہے کہ سورۂ غاشیہ میں بِمُصَيْطِرٍ کو بطریق شاطبی صرف صاد ہی سے پڑھنا چاہیئے اگرچہ بعض کلام مجید میں صاد کے اوپر چھوٹی سی سین بھی لکھی ہوئی ہے اس لفظ میں چونکہ بطریق جزری سین کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے اس لئے چھوٹی سی سین لکھی رہتی ہے۔ دیکھو تنزیر وغیرہ۔

۴۔ مثل بِئْسَمَا وغیرہ کیوں کہ اہل رسم کے نزدیک کلمہ موصولہ بھی کلمۂ واحدہ کے حکم میں ہے۔ ۱۲ر

۵ رسم خط کے قواعد معلوم کرنا ہو تو حضرت صدر القراء مدظلہ النورانی کی بہترین تالیف جامع الرسوم اور ابن مؤلف کی معرفتہ الرسوم دیکھیں ان سے بخوبی تفصیل معلوم ہو جائیگی ان کے علاوہ اور بھی بہت سی فن رسم میں کتب ہیں مگر وہ اکثر عربی میں ہیں جیسے مقنع اور عقیلہ وغیرہ ۱۲ار

الحمد للہ جل مجدہ آج یکم ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱ مارچ ۲۰۰۷ء کو حاشیہ ضیاء القرأت تکمیل کو پہنچا مولائے کریم اسے شرف قبولیت عطا فرمائے اور دینی طلبہ کے لئے مفید اور نفع بخش بنائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر شکیل احمد نوری عفی عنہ
خادم التجوید القرأت دار العلوم سلطان الہند و رضا بھیلواڑہ، راج

☆☆☆

۰۹۸۳۹۹۴۴۵۳۲

☆☆☆

ناشر
جیلانی بکڈپو
۵۲۲۔ وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶
Mobile: 32715295, 9350046577, 9212346577
Email: jilani.book.depot@gmail.com